ہفت روزہ

خدام الدین

لاہور پاکستان

بانی: شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی رحمہ اللہ

مدیر اعلیٰ مولانا عبید اللہ انور

19

دوستو! آج پھر عید کا روز ہے

آزاد شیبانی

دوستو! آج پھر عید کا روز ہے!
آؤ مجھ سے لپٹ جاؤ اے دوستو!
میری دولت سے تم کو بڑا پیار ہے
ایک خنجر مری پیٹھ میں گھونپ دو
دشمنو! آج پھر عید کا روز ہے!

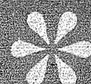
مومنو! آج پھر عید کا روز ہے!
عید گاہوں میں اللہ اکبر کہو
قلب مردہ، صفیں کج، نظر بے حیا
بھیڑیے کیوں نہ کھائیں گے اس بھیڑ کو
ملحدو! آج پھر عید کا روز ہے!

تاجرو! آج پھر عید کا روز ہے!
علم بیچا ہے، ایمان بھی بیچ دو
تم ہو وارث زمانے میں قارون کے
روح بیچی ہے عرفان بھی بیچ دو
زرگرو! آج پھر عید کا روز ہے!

رہبرو! آج پھر عید کا روز ہے!
راستہ قافلے کو دکھاتے پھرو
اس کی تربت پہ رنگین علم گاڑ دو
قوم کی لاش کو گدگداتے پھرو
رہزنو! آج پھر عید کا روز ہے!

رہروو! آج پھر عید کا روز ہے
اپنی منزل کی جانب لپکتے رہو
کوئی منزل نہ منزل کا کوئی نشاں
موت کے دیو کا پیٹ بھرتے رہو
گمرہو! آج پھر عید کا روز ہے

ایڈیٹر: مجاہد الحسینی



بدل اشتراک

سالانہ ———— ۱۸ روپے
ششماہی ———— ۱۰ روپے
سہ ماہی ———— ۵ روپے

قیمت ۴۰ پیسے

جلد نمبر ۱۹ ۔ شمارہ نمبر ۴۲

۲۶ / اکتوبر ۱۹۷۳ء
۲۸ / رمضان المبارک ۱۳۹۳ھ

مطبوعات انجمن خدام الدین لاہور پاکستان

فون نمبر ۶۷۵۳۵

احادیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

تحریر: مولانا حافظ عبدالکریم مہتمم مدرسہ عربی نجم المدارس، کلاچی

دعاء لیلۃ القدر

عن عائشۃؓ قالت قلت یا رسول اللہ ارأیت ان علمت ای لیلۃ لیلۃ القدر ما اقول فیھا قال قولی اللھم انک عفو تحب العفو فاعف عنی۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا حضرت! اگر میں لیلۃ القدر کو جان لوں تو کیا دعا مانگوں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ دعا پڑھ لیا کرو۔ اللھم انک عفو الخ

اختلاف اور جھگڑے کا نقصان

عن عبادۃ بن الصامت قال خرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیخبرنا بلیلۃ القدر فتلاحی رجلان من المسلمین فقال خرجت لاخبرکم بلیلۃ القدر فتلاحی فلان وفلان فرفعت وعسی ان یکون خیرا لکم فالتمسوھا فی التاسعۃ والسابعۃ والخامسۃ۔

حضرت عبادہ بن صامتؓ فرماتے ہیں — حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس ارادے سے نکلے کہ ہم کو لیلۃ القدر (کی تاریخ مقررہ) بتلائیں۔ مگر یہاں دو شخص آپس میں جھگڑ رہے تھے۔ آپؐ نے فرمایا میں اس خیال سے نکلا کہ تمہیں لیلۃ القدر کی معین تاریخ بتلاؤں لیکن فلاں اور فلاں آپس میں جھگڑ رہے تھے جس کی وجہ سے وہ تعیین اٹھا لی گئی اور ہو سکتا ہے کہ اس میں بھی کوئی بھلائی ہو تمہارے لیے (یعنی تکوینی طور پر۔ مثلاً کہ اب بجائے ایک رات کی عبادت کے زیادہ محنت کی جائے گی۔ اور تلاش کے لیے کئی راتوں میں زیادہ عبادت کرو گے)، پس تم اس کو انتیسویں، ستائیسویں اور پچیسویں میں تلاش کرو۔

رمضان المبارک کی ۲۳ویں رات

وعن عبداللہ بن انیسؓ قال قلت یا رسول اللہ ان لی بادیۃ اکون فیھا وانا اصلی فیھا بحمد اللہ فمرنی بلیلۃ انزلھا الی ھذہ المسجد فقال انزل لیلۃ ثلاث وعشرین قیل لابنہ کیف کان ابوک یصنع قال کان یدخل المسجد اذا صلی العصر فلا یخرج منہ لحاجۃ حتی یصلی الصبح فاذا صلی الصبح وجد دابۃ علی باب المسجد فجلس علیھا ولحق ببادیتہ۔

ترجمہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ حضرت! میں جنگل میں رہتا ہوں اور میں وہاں بحمد اللہ نماز (نفل) بھی پڑھ لیا کرتا ہوں یا شاید تراویح مراد ہوں تو آپ کوئی خاص رات بتلائیں کہ اس میں میں اس مسجد میں پہنچا کروں۔ آپ نے فرمایا۔ رمضان شریف کی تیئسویں رات یہاں آیا کرو — اس کے بیٹے سے پوچھا گیا۔ پھر آپ کے باپ نے اس پر کس طرح عمل کیا۔ انہوں نے فرمایا میرے باپ ۲۲ کے عصر کے وقت مسجد میں آجایا کرتے تھے اور پھر مسجد سے بغیر ضرورت کے نہیں نکلتے تھے — یعنی یہیں اعتکاف فرماتے تھے۔ صبح کی نماز تک مسجد میں رہتے تھے۔ صبح کی نماز کے بعد مسجد کے دروازہ پر ان کے لیے سواری موجود ہوتی تھی۔ اس پر بیٹھ کر اپنے گھر جنگل میں چلے جاتے تھے۔

قرآن مجید کا دور

عن ابن عباسؓ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجود الناس بالخیر وکان اجود ما یکون فی رمضان کان جبرئیل یلقاہ کل لیلۃ فی رمضان یعرض علیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم القرآن کل عام مرۃ فاذا لقیہ جبرئیل کان اجود بالخیر من الریح المرسلۃ۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بے حد جواد اور سخی تھے۔ لوگوں کو خیر اور فیض پہنچانے میں اور رمضان شریف میں تو آپ بہت جود و سخا فرمایا کرتے تھے کیونکہ جبریل امین علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام رمضان شریف کی ہر رات آپ سے ملاقات کیا کرتے تھے اور آپ ان کو قرآن مجید سنایا کرتے تھے (اور دوسری روایت میں ہے کہ جبرئیل امین آپ کو قرآن مجید سنایا کرتے تھے۔ جس سے معلوم ہوا کہ رمضان المبارک میں سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور جبریل امین علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام قرآن مجید کا دور کیا کرتے تھے)

پس جبریل امین جب آپؐ کو ملتے تھے اور قرآن مجید کا دور کرتے تھے تو آپؐ مینہ برسانے والی ہواؤں سے بھی زیادہ سخی ہوتے تھے۔

اعتکاف

عن عائشۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یعتکف العشر الاواخر من رمضان حتی توفاہ اللہ ثم اعتکف ازواجہ من بعدہ۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ہی رمضان شریف کے عشرہ اخیرہ میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ آپؐ کا وصال ہوگیا۔ آپؐ کے بعد آپؐ کی ازواج مطہرات نے اعتکاف کیا۔

معلوم ہوا کہ سب کو اعتکاف میں بیٹھنا ضروری نہیں۔ محلہ میں سے جب کوئی ایک شخص بیٹھ جائے تو سب کی سنت ادا ہو جائے گی۔ عورت اپنے گھر میں اعتکاف کرے گی۔

بیسویں رمضان المبارک کو عصر کی نماز کے بعد غروب شمس سے پہلے اعتکاف کرنے والے کو مسجد میں داخل ہو جانا چاہیے۔

عن ابن عمرؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان اذا اعتکف طرح لہ فراشہ او یوضع لہ سریرہ وراء اسطوانۃ التوبۃ۔

ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اعتکاف میں بیٹھ جاتے تو آپ کا بستر یا آپ کی چارپائی ستون توبہ کے پیچھے بچھا دی جاتی تھی۔

عید

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یخرج یوم الفطر والاضحی الی المصلی

ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چھوٹی اور بڑی دونوں عیدوں میں عیدگاہ میں جانے کے لیے شہر سے باہر تشریف لے جاتے تھے

عید کے دن نفل نماز

عن ابن عباسؓ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یوم الفطر رکعتین لم یصل قبلھما ولا بعدھما۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ

خدام الدین

۲۶ر اکتوبر ۱۹۷۳ء

۲۸ رمضان المبارک ۱۳۹۳ھ

جلد ۱۹ شمارہ ۲۲

اداریہ

عید الفطر کی پُر مسرّت تقریب

سیلاب کے باعث بے خانماں افراد اور دکھی انسانوں کو بھی یاد کیجئے

آج عید الفطر — کی پر مسرت تقریب کا دن ہے۔ پاکستان میں یہ عید ایسے حالات میں آ رہی ہے جب بے شمار انسان سیلاب کی تباہ کاریوں کے باعث بے خانماں ہیں اور ابھی وہ آسمان کی کھلی چھت کے نیچے بے سروسامانی کے عالم میں پڑے ہیں۔ —— ہمارے یہ بھائی مصیبتوں کا شکار ہیں اور ان کے دلوں میں مسرتوں کی شمع ابھی نہیں جگمگائی ہے۔ یہ لوگ ابھی دل گرفتہ ہیں۔ ان کے چہرے اداس اور ان کے ولولے سرد پڑ گئے ہیں! —— جو لوگ سیلاب کی تباہیوں اور بربادیوں کی دست برد سے محفوظ رہے ہیں اور انہیں سیلاب کی صورت میں عذاب الٰہی کا براہ راست مشاہدہ نہیں ہوا ہے وہ اجڑے ہوئے شہروں اور تباہ حال بستیوں کو دیکھیں کہ ابھی یہ شہر اور یہ بستیاں شاداں و فرحاں آباد تھیں۔ ان کے باشندے زندگی کی آسائشوں میں محو اور کشاکش روزگار میں سرگرم عمل تھے کہ یکایک ہنستی بستی آبادیاں اجڑ گئیں۔ شہر اور دیہات ویران ہو گئے اور ان کے مکین خانماں برباد ہو کر بے یار و مددگار اور بے آسرا ہو گئے ہیں —— آج۔ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے دولت و ثروت سے نوازا ہے ان کا دینی، ملی اور اخلاقی فریضہ ہے کہ وہ ان "خانہ برباد" لوگوں کو نہ صرف زکوٰۃ اور فطرانے کی ادائیگی کے وقت یاد رکھیں بلکہ ان میں بے شمار ایسے لوگ بھی ہیں۔ جو زکوٰۃ اور فطرانے کے لیے ہاتھ پھیلانا تو درکنار— انہیں اس بات کا علم ہو جائے کہ زکوٰۃ وصدقات یا فطرانے سے اُن کی مدد کی جا رہی ہے تو وہ فاقہ کشی برداشت کر لیں گے لیکن ایسی امداد وصول کرنے پر ہرگز آمادہ نہ ہوں گے۔ ایسے افراد واقعتہً مدد کے سب سے زیادہ مستحق ہوتے ہیں۔ — عید الفطر کے موقع پر ان امور کا خصوصی خیال رکھ کر مستحق اور نادار لوگوں کی خوب دل کھول کر مدد کی جائے۔ اور صرف نقد صورت میں ہی نہیں —— سردی کا موسم آ رہا ہے اور امسال سیلاب اور بارشوں کی وجہ سے نسبتاً سردی زیادہ پڑنے کا بھی امکان ہے اس سے بچاؤ کے لیے گرم ملبوسات، پارچات، کمبلوں اور لحافوں کا انتظام نہایت ہی ضروری ہے —— ؟

شذرہ

خان لیاقت علی خان کی مرزائیت سے بیزاری

۱۶ر اکتوبر کو پاکستان بھر میں یوم لیاقت نہایت اہتمام کے ساتھ منایا گیا اور اس میں شہید ملت خان لیاقت علی سابق وزیر اعظم پاکستان کی ملی اور ملکی خدمات کا اعتراف کیا گیا ہے۔

خان لیاقت علی خاں ایک اچھے مسلم لیگی رہنما تھے وہ قدیم روایات کا احترام کرنے والی ایک وضع دار شخصیت تھی۔ ان دنوں پنجاب اسمبلی کے ایک سابق ممبر محمد علی ہرل کی وفات کے بعد چک جھمرہ کے ضمنی انتخاب کا چرچا ہے اس مرحلہ میں شہید ملت خان لیاقت علی خاں کے ایک اہم دینی اور ملی اقدام کی وضاحت کرتے ہوئے انہیں خراج تحسین پیش کرنا ہے وہ یہ کہ چک جھمرہ کی ایک نشست کے لیے ۱۹۵۱ء کے انتخابات کے موقع پر پنجاب مسلم لیگ نے مولوی عصمت اللہ نامی ایک مرزائی کو ٹکٹ دے دیا تھا۔ پاکستان کے پہلے وزیر اعظم اور مسلم لیگ کے رہنما خان لیاقت علی خاں اس حلقہ

میں بھی اپنے اثر و رسوخ کو استعمال کرنے اور تقاریر کے ذریعہ رائے عامہ ہموار کرنے کے لیے لائلپور تشریف لے آئے ...
مجلس احرار اسلام کے رہنما اور مجلس تحفظ ختم نبوت ...
صدر مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی رحمۃ اللہ علیہ کو ...
لیاقت علی خاں کے اس پروگرام کا علم ہوا تو وہ ...
لائلپور گئے ریلوے سٹیشن پر وزیر اعظم کا سیلون تھا۔ پروگرام ...
کے مطابق وزیر اعظم نے دوسرے دن چک جھمرہ جانا ...
مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے ملاقات ...
کے دوران لیاقت علی خاں کو مرزائیوں کی ریشہ دوانیوں ...
ملک اور ملت اسلامیہ کے خلاف ان کی سرگرمیوں اور ...

(باقی صفحہ ۷ پر)

نماز عید الفطر

قطب العالم شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی قدس سرہٗ کے جانشین حضرت مولانا عبید اللہ انور دامت برکاتہم حسب سابق نماز عید الفطر ۸ بجے صبح باغ بیرون شیرانوالہ میں پڑھائیں گے۔ لاؤڈ سپیکر اور مستورات کے لیے پردہ کا انتظام ہوگا۔

(ناظم)

مندرجات

رئیس الادارہ
جانشین شیخ التفسیر
مولانا عبید اللہ انور
مدیر
مجاہد الحسینی

عید ایک مبارک اور سعید دن

یہ تقریب اجتماعی مساوات کا مظہر ہے

آج تکبیروں کی گونج سے کوئی گوشہ خالی نہیں رہے گا

عید کا لفظ "عود" سے مشتق ہے۔ لفظ عود کے معنی "لوٹنے" کے ہیں گویا یہ ایک ایسا سعید مبارک دن ہے جبکہ خوشیاں اور مسرتیں اور شادمانیاں پھر سے لوٹ آتی ہیں۔ اور مسلمانوں کے لیے فرحت اور مسرت کا موجب بنتی ہیں۔ عیدالفطر کی تقریب سعید ۲ ہجری میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے بعد شروع ہوئی۔ پہلی عیدالفطر اس وقت منائی گئی جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے ہجرت کئے ایک سال چھ ماہ گزر گئے تھے۔

اسلام چونکہ آخری اور مکمل دین ہے اس لیے اس میں اول تا آخر حتیٰ کہ تہواروں میں بھی لہو و لعب اور خرافات کے بجائے خشیت الٰہی اور تقویٰ و پرہیزگاری کے روح پرور مناظر نظر آئیں گے۔ اسلامی تہواروں کا مقصد یہی ہے کہ لوگوں میں خدا ترسی کا جذبہ اور اعلیٰ درجہ کا اخلاق پیدا کیا جائے۔

ابتدائے آفرینش سے دنیا کی ہر قوم و ملت میں اجتماعی مسرت اور شادمانی کے ایام ملتے ہیں۔ ہر قوم و ملت اپنے رواج و عقائد کے مطابق اجتماعی خوشی کا اظہار کرتی ہے کوئی قوم موسم بہار کی رنگینیوں کو یوم مسرت کے لیے مخصوص بنائے ہوئے ہے تو کوئی قوم اپنے مذہبی رہنماؤں، روحانی پیشواؤں اور سیاسی لیڈروں کے یوم ولادت پر اجتماعی خوشی کا اظہار کرتی ہے۔

اہل اسلام کے علاوہ ہر قوم و ملت کی اجتماعی خوشی برائے خوشی ہوتی ہے۔ فرد و ملت یا خدا اور بندے کے درمیان رشتہ اور تعلق کو استوار یا مضبوط کرنے میں کوئی مدد نہیں ملتی۔ اسلام ہی وہ منفرد مذہب ہے جس میں عظیم ترین اجتماعی تہواروں پر بھی پورے نظم و ضبط اور مساوات اتحاد و یگانگت اور جذبہ ایثار و قربانی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔

اسلام نے سال میں دو جشن منانے کی اجازت دی ہے۔ ایک کا نام "عیدالفطر" اور دوسرے کا نام "عیدالاضحیٰ" ہے دونوں موقعوں پر اتنی خوشی ہوتی ہے کہ اس کے اظہار کے لیے عید کا نام ہی ضرب المثل بن گیا ہے۔

عید سے حقیقی لطف اٹھانے کے لیے پہلے پورے ایک ماہ کے روزے رکھیے۔ صبح سے شام تک اپنے اوپر کھانا پینا حرام کر لیجیے۔ راتوں کو تراویح میں قرآن مجید سنئے۔ پھر جب ہلال عید نظر آئے تو اس وقت اس عبادت کا شکریہ عبادت ہی کی صورت میں منائیے۔ عید کی مسرت اور شادمانی میں بھی خدا پرستی کے عنصر کو ایسا سمویا اور پرو دیا گیا ہے کہ قالب اگرچہ جشن انبساط اور سرور انبساط کا ہے لیکن روح اس میں بھی عبدیت اور انابت الی اللہ کی ہے۔

عید بلاشبہ خوشی کا دن ہے لیکن خوشی منانے کا جو طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے ہمارے سامنے پیش فرمایا وہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے منفرد حیثیت رکھتا ہے اور یہی طریقہ مسلمانوں کو اپنانا چاہیئے کیونکہ اس میں ہماری نجات ہے

عہد رسالت میں عید کے روز لوگ صبح کو مسلمان مرد، عورت اور بچے، سب غسل کرتے تھے اور اچھے سے اچھے کپڑے جو خدا نے انہیں دیئے ہوں، پہن کر نکلتے تھے۔ عید کی نماز کے لیے جانے سے پہلے تمام خوشحال لوگ ایک مقرر مقدار میں کھانے کا سامان یا اس کی قیمت غریبوں کو دیتے تھے۔ تاکہ کوئی شخص عید کے روز بھوکا نہ رہ جائے۔ ذرا دن چڑھنے پر سب لوگ گھروں سے نکل کھڑے ہوتے تھے حکم تھا کہ عورت، مرد، بچے سب نکلیں تاکہ مسلمانوں کی کثرت اور اس کی شان کا اظہار ہو۔ خدا سے دعا مانگنے میں بھی سب شریک ہوں اور اس اجتماعی مسرت میں بھی سب کو شرکت کا موقع مل جائے۔ عید کی نماز مسجد کی بجائے باہر میدان میں ہوتی تھی تاکہ بڑے سے بڑا مجمع ہو سکے۔

عیدگاہ میں جب لوگ جمع ہو جاتے تو صفیں باندھ کر سارا مجمع رسول خدا کی امامت میں پوری باقاعدگی کے ساتھ دو رکعت نماز ادا کرتا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر خطبہ دیتے۔ جمعہ کی نماز کے برعکس یہ خطبہ نماز کے بعد ہوتا تھا تاکہ زیادہ سے زیادہ آدمی اپنے ہادی و رہنما کی اس اہم تقریر کے وقت موجود رہیں۔ جس کا موقع سال میں صرف دو ہی بار آتا ہے پہلے ایک تقریر مردوں کے سامنے ہوتی پھر آپؐ میدان کے اس حصہ کی طرف جاتے جہاں عورتیں جمع ہوتی تھیں اور وہاں بھی تقریر فرماتے تھے۔ ان تقریروں میں تعلیم و تلقین اور وعظ و نصیحت کے علاوہ اسلامی تنظیم کے متعلق ان تمام مسائل پر بھی روشنی ڈالی جاتی تھی۔ جو اس وقت درپیش ہوتے تھے۔ پھر یہ مجمع عیدگاہ سے پلٹتا تھا اور حکم یہ تھا کہ جس راستے سے آئے ہو اس کے خلاف دوسرے راستے سے گھروں کی طرف واپس جاؤ تاکہ بستی کا کوئی حصہ تمہاری چہل پہل سے اور تمہاری تکبیروں کی گونج سے خالی نہ رہ جائے۔

بس یہ عید تھی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں منائی جاتی تھی۔ ان کے علاوہ جوان لوگ کچھ کھیل کود بھی لیتے تھے بلکہ اسلامی معاشرہ کے سربرآوردہ حضرات تو ان نوجوانوں کی جائز اور معصوم خوش فعلیوں میں بھی حصہ لینے سے اجتناب کرتے تھے تاکہ ان کی ہمت افزائی نہ ہو جس سے وہ ناروا مظاہرے کرنے کی جرأت کرنے لگیں۔

ایک مستند روایت میں آتا ہے کہ ایک دفعہ عید کے روز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں داخل ہوتے تو دیکھا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس پڑوس کی دو لڑکیاں بیٹھی گیت گا رہی ہیں۔ گیت کا مضمون جنگ بعاث کے زمانے کا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تفریح میں دخل نہ دیا اور خاموشی کے ساتھ ایک کونے میں چادر اوڑھ کر لیٹ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور انہوں نے اپنی صاحبزادی حضرت عائشہؓ کو ڈانٹ پلائی۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں یہ کیا شیطانی حرکت ہو رہی ہے۔ ان کی آواز سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چہرے سے کپڑا ہٹا دیا اور فرمایا۔

"رہنے دو۔ ہر قوم کی ایک عید ہوتی ہے۔ آج ہماری عید ہے"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سن کر حضرت ابوبکرؓ خاموش ہو گئے۔ مگر وہ سلسلہ جاری نہ رہ سکا۔ اُن کے پیٹھ موڑتے ہی حضرت عائشہؓ نے لڑکیوں کو آنکھ کا اشارہ کیا اور وہ اپنے گھروں کو بھاگ گئیں۔

حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ "ہر عقلمند آدمی پر لازم ہے کہ وہ اپنی ظاہری آرائش کو نہ دیکھے بلکہ عید کے روز عبرت پکڑے اور آخرت کی فکر کرے اور عید کو قیامت کا نمونہ بنائے۔ جب لوگوں کو رنگ برنگ کپڑوں میں دیکھے تو اس وقت یہ خیال کرے کہ ان میں سے ایک تو حقیقتاً خوش ہے اور یہ وہی ہے جو اہل طاعت میں سے ہے اور دوسرا اہل معصیت سے۔ عید کی خوشی بے شک منانی چاہیئے لیکن اس خوشی میں اس قدر کھو جانا کہ آخرت کی فکر نہ رہے یقیناً بڑے خسارے کی چیز ہے"۔

عید حقیقت میں اس شخص کی ہے جس نے ماہ رمضان میں نفس کی خواہشات پر قابو پا کر اللہ کی رضا کے مطابق روزہ رکھا۔ ہر قسم کے گناہوں سے پرہیز اور آئندہ کے لیے گناہوں سے بچنے کا عہد کرے۔ اس شخص کے لیے عید نہیں بلکہ وعید ہے جس نے ماہ صوم میں شیطان لعین سے تو یارانہ گانٹھا لیکن خدائے قدوس کو ناراض کیا"۔

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "جب عیدالفطر کے دن فرشتوں کا اجتماع ہوتا ہے اور مسلمان نماز عید کے لیے جمع ہوتے ہیں تو رب العالمین اپنی تجلی سے ان پر ظہور فرماتا ہے ایسی حالت میں جو بیان نہیں ہو سکتی۔ پھر فرشتوں سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ ایسے مزدوروں کی اجرت کیا ہے۔ فرشتے عرض کرتے ہیں یا اللہ انہیں اجر دیا جائے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے دیکھو! فرشتو۔ ان لوگوں کو جنہوں نے رمضان کے روزے رکھے اور اب عید کی نماز ادا کرنے کے لیے شکرانے کے میدان میں آئے ہیں تمہارے سامنے میں ان کو انعام دیتا ہوں۔ کہ ان کے تمام گذشتہ گناہ معاف ہیں"۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ ایک اور حدیث کے راوی ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عید کی رات کو جائزہ کی رات کہا جاتا ہے۔ عید کے دن صبح صبح اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں

باقی صفحہ ۱۶ پر

خطبۂ جمعہ

۱۲ر اکتوبر ۱۹۷۳ء

مرتبہ: عبدالرشید انصاری

عرب مجاہدین کے ہاتھوں جہنم رسید ہونے کے لیے

دنیا بھر کے یہودی اسرائیل میں اکٹھے ہو رہے ہیں

دعا کی اپیلیں کرنے کے بجائے حکومت کو عربوں کی عملاً امداد کرنی چاہیے!

جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبیداللہ انور مد ظلہ

الحمد للہ وکفیٰ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ؛ اما بعد :-

فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم:

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

(آل عمران - آیت ۱۲۳)

اور اللہ بدر کی لڑائی میں تمہاری مدد کر چکا ہے حالانکہ تم کمزور تھے۔ پس اللہ سے ڈرو تاکہ تم شکرگذار بن جاؤ۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی!

رمضان المبارک جس طرح ہمیں رحمت، مغفرت اور آگ کے عذاب سے نجات کی خوشخبری سناتا ہے اسی طرح یہ مقدس اور بابرکت مہینہ ہمیں طاغوتی قوتوں کے خلاف نبرد آزما ہونے کا خدائی فرمان سنانے کے ساتھ ساتھ ہمارے لیے اللہ تعالےٰ کی طرف سے نصرت و امداد اور فتح و کامرانی کا پیغام لے کر آتا ہے۔ اسی رمضان المبارک میں ہمارے عرب بھائی اسلام اور مسلمانوں کے ذلیل اور کمینہ صفات دشمن یہودیوں سے برسرِ پیکار ہیں۔ مصر و شام، عراق، لیبیا، الجزائر اور سوڈان، مراکش اور تیونس اور کئی دوسرے اسلامی ملک اس جہاد میں شریک ہو گئے ہیں۔ یہودی ظلم و بربریت کے خلاف عربوں کی یہ چوتھی جنگ ہے۔ اس سے پہلے تین بار سرزمین فلسطین مسلمانوں کے خون سے سیراب ہو چکی ہے۔

اسرائیل کا یہ زہریلا خنجر عربوں کے سینہ میں اس لیے گھونپا گیا تھا کہ وہ اینگلو امریکی سامراج کے اثر و نفوذ سے کبھی چھٹکارا حاصل نہ کر سکیں۔ اسرائیل کا خوف و ہراس ان پر ہمہ وقت مسلط رہے اس کی سفاکی و درندگی سے بچنے کے لیے عرب عوام اینگلو امریکی سامراج کے سامنے دست بستہ کھڑے رہا کریں اور وہ انہیں اپنے استحصالی عزائم کی تکمیل کے لیے استعمال کرتے رہیں۔ لیکن عرب عوام نے سامراج کی ان تمام امیدوں کو خاک میں ملا دیا ہے اور جب سے ناجائز یہودی مملکت معرضِ وجود میں آئی ہے اسی وقت سے عرب مسلمان اس کے خلاف جد و جہد میں مصروف ہیں۔

فلسطین کا یہ بدقسمت علاقہ جس پر یہودی ریاست قائم کی گئی ۱۹۱۴ء کی جنگ کے بعد سے برطانیہ اور اس کے اتحادیوں کی ناپاک سیاست کا سب سے زیادہ شکار ہوا ہے۔ سات لاکھ عرب مسلمانوں کی یہ بستی شام کا ایک ضلع تھی۔ جسے برطانیہ نے شام سے کاٹ کر دنیا بھر کے یہودیوں کو یہاں آ کر آباد ہونے کی دعوت دی تھی۔ چنانچہ یہودی سرمایہ داروں نے اپنی مملکت کو مستحکم کرنے کے لیے ہر ممکن وسائل استعمال کیے اور یہاں سے عربوں کی تہذیب و ثقافت کو یکسر مٹا کر یہودیت کے مردہ جسم میں روح ڈالنے کی کوشش کی۔ اس مردہ جسم میں تو جان نہ ڈالی جا سکی البتہ اس کوشش میں ہزاروں بے گناہ جسم بے جان ہو گئے۔ ہزاروں بچے یتیم ہوئے، ان گنت سہاگ لٹے، وہ عفت مآب عرب خواتین جنہوں نے کبھی بلا ضرورت اپنے گھر کی دہلیز سے باہر پاؤں نہیں رکھا تھا جنگلوں، بیابانوں میں زندگی کے دن پورے کرنے پر مجبور ہو گئیں۔ غرضیکہ سرزمین فلسطین مجسم فریاد بن گئی اور جب بھی کوئی اس کی فریاد سننے اور اس کی دادرسی کے لیے آگے بڑھا تو یہودی فوجیوں نے امریکی گولیوں سے اس کا سینہ چھلنی کر دیا۔ آگ اور خون کا یہ کھیل اس وقت سے کھیلا جا رہا ہے جب برطانوی اقتدار ختم ہونے کے بعد ۱۴ر مئی ۱۹۴۸ء کو ڈیوڈ بن گوریان نے صیہونی ریاست "اسرائیل" کے قیام کا اعلان کیا۔ اس کے ساتھ ہی یہودی فوج اور عرب عوام میں خونریز جنگ کا آغاز ہو گیا۔ اس جنگ میں اسرائیل کو دنیا کی پانچ بڑی طاقتوں امریکہ، برطانیہ، روس، فرانس اور چیانگ کائی شیک کے چین کا تعاون حاصل تھا۔ اس لیے عربوں پر اس کی جارحانہ بالادستی قائم ہو گئی۔ ۱۹۵۶ء میں مرحوم جمال عبدالناصر صدرِ مصر نے نہر سویز کو قومی تحویل میں لینے کا اعلان کیا تو اسرائیل، فرانس اور برطانیہ نے مل کر مصر پر حملہ کر دیا۔ امریکہ اس جنگ میں بھی براہ راست شریک ہونا چاہتا تھا لیکن اب روس دوسری صف میں بالمقابل کھڑا تھا۔ اس جنگ میں جمال عبدالناصر مرحوم نے نہر سویز کو سامراجی تسلط سے آزاد کروا کر افریشیائی ممالک کی آزادی، خود مختاری کو پائیدار تحفظ دیا اور محکوم اقوام کے لیے آزادی کی راہیں ہموار کر دیں۔

۱۹۶۷ء میں پھر تیسری بار عرب دنیا پر جنگ ٹھونس دی گئی۔ اس بار عربوں کا پہلی دو جنگوں سے کئی گنا زیادہ نقصان ہوا۔ عربوں کے ہزاروں مربع میل رقبہ پر اسرائیل نے قبضہ کر لیا۔ نہر سویز کے مشرقی کنارے پر یہودی فوجیں ڈیرے ڈال کر بیٹھ گئیں۔ شام و اردن کے علاقوں پر اسرائیل نے تسلط قائم کر لیا۔ حتیٰ کہ قبلہ اول بیت المقدس بھی مسلمانوں سے چھن گیا۔ امریکی اسلحہ اور سیاسی تحفظ کے بل بوتے پر اسرائیل نے جی بھر کر عربوں پر مظالم ڈھائے اور ان کی مجبوری، بے کسی اور مظلومیت کا مذاق اڑایا۔ بعد ازاں صرف عربوں نے نہیں بلکہ دنیا بھر کے انصاف پسند عوام نے مقبوضہ عرب علاقے آزاد کرانے اور اسرائیل کو راہ راست پر لانے کی سفارتی سطح پر ہر ممکن کوشش کی لیکن امریکی شہ کی وجہ سے اسرائیل نے ان کی تمام کوششوں پر پانی پھیر دیا۔ آخرکار ۶ر اکتوبر ۱۹۷۳ء کا وہ دن آ پہنچا۔ جب عربوں کو اللہ تعالےٰ نے وہ زبان عطا فرمائی جو اسرائیل سمجھتا ہے وہ زبان ٹینکوں، توپوں، گولہ بارود، بمبار طیاروں اور میزائلوں کی زبان ہے اور آج ایک بار پھر سرزمین فلسطین شعلہ جوالہ بن گئی ہے۔ فلسطینی مہاجرین کے کیمپوں میں پرورش پانے والے نوجوان کمینہ صفات دشمن پر بھوکے شیر کی طرح جھپٹ پڑے ہیں۔ بہادر اور شیر دل مسلح عرب افواج نے پچھلی تین جنگوں کے ادھار چکانے شروع کر دیے ہیں۔ اسرائیل کو اس کے گھناؤنے جرائم اور غنڈہ گردی کی پوری پوری سزا دینے کا وقت آ گیا ہے۔ دنیا بھر کے یہودی عرب مجاہدین کے ہاتھوں جہنم رسید ہونے کے لیے اسرائیل بھاگے چلے آ رہے ہیں۔

عربی افواج قبلہ اول بیت المقدس کی آزادی کے لیے اللہ کی رضا کے لیے اور حق و انصاف کی بالادستی قائم کرنے کے لیے جہاد کر رہی ہیں۔ اور یہودی لوگ بے گناہوں کا خون بہاتے، اپنے ملک کی سرحدیں وسیع کرنے اور ظلم کی تلوار سے انصاف کا گلا کاٹنے کے لیے لڑ رہے ہیں۔ اسرائیلی حکمرانوں کو فینٹم طیاروں پر ناز ہے اور ان کی نظریں امریکہ کے چھٹے بحری بیڑے پر لگی ہوئی ہیں۔ لیکن مصر و شام کی فوج اللہ کی فوج ہے اس کا مکمل بھروسہ اللہ تعالےٰ پر ہے۔ افریقہ کے مرد مومن صدر یوگنڈا جناب

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

عبدالرحیم سوکارنو کے زوال کے بعد

انڈونیشیا کی پوری آبادی کو عیسائی بنانے کی مہم شروع کر دی گئی

گزشتہ چند برسوں میں ۲۵ لاکھ مسلمانوں کو عیسائی بنایا گیا

عیسائی مشنریوں کو امریکہ سے امداد مل رہی ہے۔!

انڈونیشیا میں ڈاکٹر سوکارنو کے زوال کے بعد عیسائی مبلغین کی سرگرمیوں میں تشویشناک اضافہ ہو گیا ہے۔ انہوں نے پورے ملک کی آبادی کو بتدریج عیسائی بنانے کے لیے مغربی ملکوں کی امداد سے زبردست مہم شروع کر رکھی ہے۔ ۲۵ لاکھ انڈونیشی مسلمان گزشتہ چند برسوں میں عیسائیت قبول کر چکے ہیں جبکہ اتنی تعداد کو اپنا دین ترک کرنے کی تربیت دی جا رہی ہے۔

یہ انکشافات موتمر عالم اسلامی کے انگریزی ہفت روزہ "دی مسلم ورلڈ" کراچی کے شمارے میں انڈونیشیا کی صورت حال کے متعلق ایک طویل سروے رپورٹ میں کیے گئے ہیں۔ یہ رپورٹ ہفت روزہ کے دو نامہ نگاروں کی خبروں سے مرتب شدہ ہے جسے مسلم ورلڈ نے انڈونیشیا میں مقدس جنگ کے عنوان کے تحت اس امید کے ساتھ شائع کیا ہے کہ دنیا بھر کی مسلمان حکومتیں، تنظیمیں اور عوام انڈونیشیا میں عیسائی مشنریوں کی سرگرمیوں کا سنجیدگی سے نوٹس لیں گے۔

سروے رپورٹ میں انکشاف کیا گیا کہ عیسائیوں نے بیس سال میں جاوا اور پچاس سال میں باقی انڈونیشیا کی آبادی کو مسیحیت کا حلقہ بگوش بنانے کے لیے نہایت جامع قسم کا پروگرام تیار کر رکھا ہے۔ معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ ۱۹۶۱ء میں سرابیا (جاوا) میں منعقد ہونے والی مسیحی کانفرنس میں اس منصوبے پر غور کیا گیا۔ کانفرنس میں بحث کے دوران فلپائن کی مثال پیش کی گئی۔ جہاں کسی زمانے میں مسلمانوں کی غالب اکثریت تھی۔ مگر آج وہاں کے مسلمان اقلیت میں ہیں۔

رپورٹ کے مطابق عیسائی مشنری یہ کہہ کر یورپ اور امریکہ سے امداد حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں کہ انڈونیشیا قدرتی وسائل کی دولت سے مالا مال ہے جسے ابھی کام میں نہیں لایا گیا۔ چنانچہ اس ملک کو عیسائی بنانے سے مغربی دنیا کو فائدہ پہنچے گا۔

رپورٹ کے مطابق انڈونیشیا میں عیسائی مشنریوں کو خاص طور پر ۱۹۶۵ء سے مادی امداد مل رہی ہے ملک کے اندرونی حصوں میں ابتر معاشی حالات سے فائدہ اٹھا کر عیسائیوں نے مقدس جنگ شروع کر رکھی ہے۔ جس میں خوراک، کپڑوں، دواؤں اور روزگار کی سہولتوں کو بطور ہتھیار استعمال کر رہے ہیں۔

مشنریوں کی بڑھتی ہوئی سرگرمیاں ۱۹۶۷ء میں منظر عام پر آئیں جبکہ امریکی جریدہ "ٹائم" نے انڈونیشیا میں لوگوں کو عیسائی بنانے کی مہم کی زبردست کامیابی کے متعلق خبریں شائع کیں۔ ٹائم نے اعتراف کیا کہ یہ کامیابی زیادہ تر ان علاقوں سے حاصل ہوئی ہے جہاں کمیونسٹوں کا زبردست اثر و رسوخ ہوا کرتا تھا۔ اس سال کے شروع میں ایک انڈونیشی اخبار انگائن بارو (تازہ ہوا) نے سنگاپور میں منعقد ہونے والی ایجیکل کرسچین کانفرنس کے بارے میں ایک خبر شائع کی جس کے مطابق مشنری تنظیم نے یہ دعوےٰ کیا کہ ۲۵ لاکھ انڈونیشی مسلمانوں کو عیسائی بنایا جا چکا ہے اور مزید ۲۵ لاکھ مسلمانوں کو عیسائیت قبول کرنے کے لیے تیار کیا جا رہا ہے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے ممکن ہے اس خبر میں مبالغہ سے کام لیا گیا ہو۔ ہو سکتا ہے کہ اس کا مقصد یورپ اور امریکہ کی مشنری تنظیموں سے مزید امداد حاصل کرنا ہو۔ تاہم انڈونیشیا کے سرکاری حلقوں نے آج تک اس خبر کی تردید نہیں کی۔

انڈونیشیا میں مشنریوں کی مہم میں بیرونی امداد کے بعض واقعات بیان کرتے ہوئے مسلم ورلڈ نے اپنی رپورٹ میں بتایا کہ ایک عالمی عیسائی تنظیم کے نمائندہ برائے ایشیا (مقیم ہانگ کانگ) نے اس سال فروری میں انڈونیشیا کے مختلف مقامات پر ساٹھ لاکھ ڈالر کی لاگت سے چھ ہائی سکول قائم کرنے اور ان کے لیے چوبیس لاکھ ڈالر سالانہ امداد کی پیش کش کی۔ اس تنظیم کا صدر مقام امریکہ میں ہے۔ امریکہ کی ایک مشنری فضائی کمپنی کے نمائندہ مسٹر وارڈنگٹن نے بورنیو کے لیے نئی سروس جاری کرنے کی غرض سے وہاں کے صوبائی حکام کے ساتھ صلاح مشورہ کیا۔ اس سروس سے مشنری ملازمین اور عام لوگوں کو بھی سفر کرنے کی اجازت ہو گی۔ بلجیم کی مشنری یونیورسٹی (واقع لوئیقن) میں انڈونیشی طلبہ کو ساٹھ وظائف دیے جاتے ہیں جرمن مشنریوں نے سماٹرا کے مغربی ساحل کے قریب واقع جزیرہ نیاس میں ایک مکمل ہسپتال کا عطیہ دیا ہے۔ یہ اور اس جیسے دوسرے سینکڑوں مشنری ہسپتال سرگرمیوں کے مرکز بنتے جا رہے ہیں۔

رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ پوپ نے ۱۹۶۷ء میں ایک انڈونیشی دار محوتوفو کو اپنا کارڈینل مقرر کر دیا۔ یہ صاحب وسطی جاوا کے ایک مسلم گھرانے میں پیدا ہوئے تھے۔ لیکن ان کی پرورش ایک کیتھولک پادری نے کی تھی۔ وہ جنرل سوہارتو کے آبائی گاؤں سے تعلق رکھتے ہیں۔ انڈونیشیا میں گرجا گھروں کی ایک کونسل بھی موجود ہے۔ جس کے سربراہ انڈونیشی فوج کے ایک ریٹائرڈ کمانڈر انچیف لیفٹیننٹ جنرل ڈاکٹر ٹی بی سماتو پانگ ہیں۔ ملک کے دو بااثر اخبارات کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کی ملکیت ہیں۔ ملکی کابینہ کے بعض اہم شعبوں کے وزیر عیسائی ہیں جن میں وزیر سماجی بہبود، وزیر مواصلات اور وزیر صحت شامل ہیں۔ ان کے علاوہ فوج کے کمانڈر انچیف جنرل پنگابین گورنر سنٹرل بنک ڈاکٹر ریڈیئس پراویرا بعض صوبائی گورنر اور بعض علاقائی کمانڈر بھی عیسائی ہیں۔ کابینہ میں امور مذہبیہ کی ایک وزارت موجود ہے جس کے سربراہ نہضۃ العلماء پارٹی کے لیڈر کے ایم دہلان ہیں۔ ان کے ماتحت مسلمانوں، کیتھولک اور پروٹسٹنٹ عیسائیوں اور جزیرہ بالی کے ہندوؤں کے معاملات کے لیے چار ڈائرکٹر جنرل مقرر ہیں۔ اسلامی امور کے ڈائرکٹوریٹ میں جو سب سے بڑا ہے تقریباً

(باقی)

بقیہ: شذرہ

لیاقت علی خاں کے خلاف ان کی سازشوں کا تفصیلی ذکر کیا اور حضور خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس کا واسطہ دیا کہ پورے ملک میں آپ جہاں چاہیں جائیں تقریریں کریں، رائے عامہ ہموار کریں۔ لیکن باغیان محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اور ملک و ملت کے دشمنوں کے لیے ہرگز ہرگز کوئی معمولی حرکت نہ کریں۔ لیاقت علی خاں ـــ صورت حال سمجھ گئے۔ اور عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کی خاطر انھوں نے مرزائی امیدوار انجمن کو کامیاب کرانے کی صورت میں ترتیب دیے ہوئے تمام پروگرام منسوخ کر دیے اور واپس کراچی تشریف لے گئے۔ چنانچہ وہ مرزائی الیکشن میں بری طرح ناکام ہوا ـــ لیاقت علی خاں کا یہ ملی اور دینی جذبہ لائق صد احترام اور باعث تقلید ہے۔ اللہ تعالیٰ خان لیاقت علی خاں کی لغزشوں کو معاف فرمائے اور ان کی بخشش کر کے جنت الفردوس میں بلند مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

آج پھر چک جھمرہ کے ضمنی انتخاب کے لیے پیپلز پارٹی کے درخواست دہندگان میں خالد بشیر نامی ایک شخص مرزائی قادیانی گروہ سے تعلق رکھتا ہے پیپلز پارٹی کے کارپردازوں اور ارباب اختیار کی خدمت میں بھی ناموس رسالت اور عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کا واسطہ دے کر ہم نہایت ادب کے ساتھ درخواست کریں گے کہ اس نشست کے لیے دوسرے جس موزوں شخص کو بھی مناسب خیال کریں پیپلز پارٹی کا ٹکٹ دے دیا جائے لیکن کسی بھی مرزائی قادیانی کو مسلمانوں کا نمائندہ بنانے کے لیے ٹکٹ ہرگز نہ دیا جائے۔

اور یہ بھار تو پیپلز پارٹی کے سر ہے کہ اس کے دور حکومت میں عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کی اساس پر دستور وضع کیا گیا ہے اور صدر مملکت اور وزیر اعظم کے حلف نامہ میں اس کا اظہار ضروری قرار دیا گیا ہے۔



شکرانہ کی دو رکعت نماز واجب ہے • سب سے پہلے میٹھی چیز کھانا سنت ہے

نماز سے پہلے صدقہ ادا کرنا زیادہ باعث ثواب ہے

صاحب نصاب لوگوں کو صدقہ فطر ادا کرنا چاہیے

رمضان گذر جانے کے بعد یکم شوال کو شکرانہ کے طور پر دو رکعت نماز عید واجب ہے جس کے احکام درج ذیل ہیں۔

(۱) عید کے دن غسل کرنا، (۲) مسواک کرنا (۳) خوشبو لگانا (۴) عمدہ کپڑے پہننا (جو میسر ہوں) (۵) کنگھا کرنا (۶) تیل لگانا (۷) صبح کو سویرے اٹھنا (۸) عیدگاہ میں جلدی پہنچنے کی کوشش کرنا۔ (۹) عیدگاہ جانے سے قبل کوئی میٹھی چیز چھوارے کھجور وغیرہ کھا لینا۔ عیدگاہ جانے سے پہلے ہی صدقہ فطر ادا کر دینا۔ (۱۰) عیدگاہ میں ہی عید کی نماز پڑھنا۔ (۱۱) ایک راستے سے جانا اور دوسرے راستہ سے واپس آنا (۱۲) عیدگاہ کو پیدل جانا۔ (۱۳) راستہ میں آہستہ آہستہ تکبیر پڑھنا۔

اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر لا الٰہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر و للّٰہ الحمد۔

یہ تیرہ چیزیں عید سے قبل سنت ہیں (۱۴) عید کے دن ہر قسم کی نفلیں مکروہ ہیں۔ البتہ عید کی نماز کے بعد گھر آکر نفلیں پڑھی جا سکتی ہیں (۱۵) عیدگاہ میں عید کے بعد بھی نفلیں پڑھنا مکروہ ہیں۔ (۱۶) عید کی نماز میں صرف چھ تکبیریں زائد ہیں۔ تین پہلی رکعت میں سبحانک اللّٰہم کے بعد اور تین دوسری رکعت میں رکوع سے پہلے۔ باقی نماز عام نمازوں کی طرح ہے۔

صدقۃ الفطر کا بیان

صدقہ فطر اس شخص پر واجب ہے جس کے پاس ضروریاتِ خانہ کے علاوہ ۵۲½ تولہ چاندی یا اسی قدر وزن کے چاندی کے روپے ہوں۔ یا زیور یا مال یا جائیداد یا تجارت کا مال ہو۔ یا ساڑھے سات تولہ سونا یا اسی قدر وزن کی اشرفیاں یا زیور ہو۔ یہ ضروری نہیں کہ اس مال پر سارا سال گذر گیا ہو اگر کسی کے پاس مال بہت ہے لیکن قرض اس قدر ہے کہ اگر ادا کیا جائے تو ساڑھے باون تولہ چاندی یا اسی قیمت کا اسباب باقی نہیں رہتا تو اس پر صدقہ فطر واجب نہیں جس شخص کے پاس مذکورہ بالا مال یا اس سے زیادہ ہو وہ اپنی طرف سے بھی صدقہ فطر ادا کرے اور اپنی چھوٹی نابالغ اولاد کی طرف سے بھی جو صدقۃ الفطر ایک آدمی کا بوزن انگریزی پونے دو سیر گندم ہے یا ان کی قیمت اور جو ساڑھے تین سیر ہے اپنے عزیز و اقارب سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ ایک شخص کو کئی آدمیوں کا صدقۃ الفطر دیا جائے تو درست ہے۔ اور ایک آدمی کا صدقۃ الفطر کئی محتاجوں کو دے دیں تو وہ بھی درست ہے۔ عید کی نماز سے پہلے ادا کرنا بہت زیادہ ثواب کا باعث ہے جس نے عذر سے یا غفلت سے روزے نہیں رکھے اس پر بھی صدقۃ الفطر واجب ہے۔ بشرطیکہ مذکورہ بالا مقدار میں مال رکھتا ہو۔ صدقۃ الفطر موذن یا امام وغیرہ کو اجرت میں دینا جائز نہیں اور مسجد کی تعمیر اور اس کے مصارف میں لگانا درست نہیں۔

ترکیب نماز عید

پہلی تکبیر کے بعد ہاتھ باندھ کر سبحانک اللّٰہم آخر تک پڑھے اور دوسری و تیسری تکبیر میں ہاتھ چھوڑ دیئے جائیں۔

> **عیدگاہ پیدل جائیے**
> **اور**
> **تکبیریں پڑھنا نہ بھولیے!**

اور چوتھی تکبیر میں ہاتھ پھر باندھ لیے جائیں۔

امام فاتحہ و سورت پڑھے اور مقتدی خاموش رہیں۔ دوسری رکعت میں بعد سورت کے تین بار تکبیر کہے اور پھر ہاتھ اٹھا کر چھوڑتے رہیں اور چوتھی تکبیر پر رکوع کریں۔ اس نماز کا وقت آفتاب بلند ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے اور زوال سے پہلے تک رہتا ہے بعد نماز امام خطبہ ماثورہ پڑھے اور مقتدی خاموشی کے ساتھ سنیں۔

عید کا دوگانہ اور زبانوں پر حمد و تکبیر کا ترانہ:—

(اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر لا الٰہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر وللّٰہ الحمد)

اس بات کی علامت ہے کہ آج پروردگار عالم کی کوئی بڑی نعمت تکمیل پذیر ہوئی ہے جس کا حق ہے کہ انسان سجدہ شکر ادا کرے اور حمد و ثنا کے نغموں سے زمین و آسمان کی وسعتوں کو بھر دے یقیناً ایک بڑی اور بہت بڑی نعمت تھی جس کے اتمام کی خوشخبری لے کر عید کا آفتاب طلوع ہوا اور اس کی حق شناسی کا تقاضا بھی یہی تھا۔ یہ نعمت "ماہ رمضان" اور اس کے خاص عبادتی نظام کی نعمت تھی جو انسان کو تقویٰ کی راہ پر ڈالنے اور اس راہ کی مشکلات کو آسان بنانے کا خصوصی امتیاز رکھتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ (البقرہ)

اے ایمان لانے والو فرض قرار دیئے گئے ہیں تم پر روزے جیسے کہ تم سے پہلے اہل ایمان پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم صاحب تقویٰ بن سکو وہ تقویٰ جو انسانی سعادت کا معراج یا کہیے کہ اس کی تمام سعادتوں کا زینہ ہے۔

ان اولیاءہ الا المتقون۔ اس کی دوستی تو بس ارباب تقویٰ ہی کا حصہ ہے۔ الذین آمنوا وکانوا یتقون لھم البشریٰ فی الحیوٰۃ الدنیا وفی الآخرۃ۔ جو لوگ ایمان لائے (اور اپنے رب سے) ڈرتے رہے انہی کے لیے پروانۂ خوشنودی ہے۔ حیات دنیا میں بھی اور آخرت کی زندگی میں بھی اس سے بڑھ کر کون سی سعادت و سرفرازی ہے جو ایک خداشناس تصور میں بھی لا سکے اور جو د تقویٰ اس وجود خاکی پر منتہائے سعادت کے دروازے کھولتا ہو بلکہ یوں کہیے کہ خود منتہائے سعادت ہو اور وہ جن اوقات اور جن نظام اوقات کی برکت سے ارزانی ہو گیا شبہ ہے ان اوقات اور نظام اوقات کے نعمت اور کمال نعمت ہونے میں حق ہے جتنا بھی شکر اس نعمت کا ادا کیا جائے اور جس قدر ممکن ہو جو زبان و دل سے اس کا اعتراف کیا جائے مگر یہ عجیب بات ہے کہ انسان جن پہلو سے رمضان اور اس کے خاص عبادتی نظام کو عظیم نعمت سمجھتا اور شکر و اعتراف کے اعلیٰ ترین مظاہرے پیش کرتا ہے اس مظاہرۂ شکر و اعتراف کے معاً بعد سے ہی اپنے عمل سے یہ ثابت کرنے لگتا ہے کہ اس نے اس مہینے رمضان اور اس کے مخصوص عبادتی نظام سے کوئی فیض نہیں حاصل کیا۔

بے شک کچھ اللّٰہ کے بندے ہیں جو اس سے مستثنیٰ ہیں مگر اکثریت کا یہی حال ہے چھوڑ دیجیے ان کو جو رمضان کے عبادتی نظام میں کوئی حصہ نہیں لیتے کہ ان کی بات تو بالکل صاف ہے۔ لیکن جن کا یہ حال نہیں ہے ان کا جائزہ لیجیے جو ہمیشہ نماز پڑھنے کے تو عادی نہیں تھے مگر رمضان میں نماز اور تراویح کی پابندی کرنے لگے تو عید کی نماز پڑھتے ہی انہوں نے مسجدوں سے اس طرح رخ پھیر لیا۔ جیسے کوئی آشنائی نہیں تھی۔ جو نمازوں کے عادی تو تھے مگر زیادہ اہتمام سے کام نہ لیتے تھے انہوں نے اگر رمضان میں اس اہتمام کی سعی کی تو رمضان گذرتے ہی اس اہتمام سے بیگانہ ہو گئے جو سال بھر احکام الٰہی سے لاپروائی برتتے رہے تھے وہ ماہ رمضان میں بعض احکام سے اعتنا کرنے کے بعد پھر اسی بے اعتنائی کی طرف لوٹ گئے۔ جنہوں نے غیبت جھوٹ وغیرہ کم کر دیا تھا وہ اپنی کسر پوری کرنے میں لگ گئے جنہوں نے فواحش سے بچنے کی کوشش کی تھی وہ اس کوشش کو بھول گئے اور جو شریعت کی حرام کردہ تفریحات (مثلاً سینما بینی) سے اجتناب کئے ہوئے تھے وہ دوگانہ ادا کرتے ہی اس اجتناب کو خیرباد کہہ گئے۔ جہاں تک خدا کے دیئے ہوئے اس تربیتی پروگرام کا تعلق ہے یقیناً ہم

نہیں سوچ سکتے۔ کہ اس میں اثر نہیں۔ اگر اس میں اثر نہیں تو دنیا کے کسی اور پروگرام میں تقوٰی آفرینی کا اثر نہیں ہو سکتا۔ لیکن ہمارے حق میں جو یہ بے اثر نظر آرہا ہے اس کی وجہ خود ہمارے اندر اس شرط کا فقدان ہے جیسے کسی پروگرام سے فیض پانے کے لیے قدرتاً ضروری ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہم پر روزے فرض کرتے ہوئے اس کی غایت بتائی تھی، کہ مہینہ بھر کے اس سالانہ پروگرام سے زندگی میں تقوٰی کی شان پیدا کرنے کی اُمید ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ۔

تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جیسا کہ تم سے پہلے اہل ایمان پر فرض کئے گئے تھے۔ تاکہ تم تقوٰی کی شان سے زندگی گذار سکو۔

ہم نے روزے تو رکھے ان کا احترام کرنے کی کوشش کی مگر ان کی فرضیت کے مقصد کی طرف ہمارا ذہن شاید ہی متوجہ ہوا ہو۔ بس یہی اس بے اثری کا راز ہے۔

عیدگاہ سے واپسی

پر دوسرا راستہ

اختیار کرنا چاہیئے

کہ پھر ہم چار دن بھی اس تقوٰی کی شان سے نہ گذار سکے۔ جتنا رمضان المبارک کے ایام میں ہم نے اختیار کر لیا تھا۔ انسان جب کسی اعلیٰ مقصد کی خاطر کوئی مشقت جھیلتا ہے تو فطری طور پر تھوڑے بہت تو ضرور اس مقصد کا پاس کرتا ہے۔ ہم اگر یہ سمجھتے کہ خدا نے بھوک اور پیاس کی مشقت دے کر محض اپنی بندگی کا خراج ہم سے وصول نہیں کیا بلکہ مشقت کر اپنی عبادت کا مرتبہ دے

کہ ہماری زندگی کا ڈھنگ سنوارنے کے لیے اس کو فرض کیا ہے۔ اس کی ادائیگی میں یہاں ہم ادائے فرض کا احساس اپنے اندر پاتے وہاں یہ جذبہ بھی آپ سے ہمارے اندر ابھرتا کہ مشقت کا وہ نتیجہ بھی ہمیں حاصل ہونا چاہیئے جس کے لیے انہیں فرض کیا گیا ہے اس طرح رمضان گذار کر ہمارا حال یہ نہ ہوتا کہ کوئی ایک قرض تھا جسے اتار کر چھٹی ہو گئی بلکہ ذہن اس طرح کام کرتا کہ اس مشقت کا تقاضا کیا ہے۔ جو ایک دو دن نہیں پورے تیس دن تقوٰی کی اعلیٰ مشق کرتے ہوئے اٹھائی گئی ہے اور اس ذہن کے ساتھ یہ حال کسی طرح ممکن نہ تھا کہ ادھر رمضان شریف ختم ہوا اور ادھر

جو پڑھا لکھا تھا نیازؔ نے اسے صاف دل سے بھلا دیا

الغرض عید خوشی مسرت اور شادمانی کا دن ہے۔ اور اس کے پروگرام میں سب سے نمایاں اور سب سے اہم چیز دوگانہ شکر اور زمزمہ حمد وتکبیر ہے لیکن یہ خوشی کس چیز کی ہے کیا کوئی موسمی ترنگ تھی جس نے ہمسایہ قوموں کی طرح جذبات کیف وسرور کو چھیڑ کر موسم کے ایک خاص دن کو رام عید کی شکل دے دی۔ یا کوئی قومی فتح کا دن تھا جس کی یادگار ہم منا رہے ہیں۔ یقیناً ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ واقف سے ناواقف مسلمان بھی رمضان کے ساتھ عید کے کھلے تعلق کی وجہ سے کسی نہ کسی درجہ میں اصل بات کو سمجھتا ہے۔ کم از کم میں سمجھتا ہوں کہ یہ رمضان المبارک کی خوشی کا اختتام تو رمضان کی خصوصیت شب وروز کی عبادت کے سوا کیا تھی پھر کیا اس سخت عبادت پر خوشی کا نتیجہ یہ ہونا چاہیئے کہ ہم سال بھر کی عبادتوں سے بھی منہ موڑلیں آؤ سال کے باقی گیارہ ماہ بھی تقوٰی اور عبادات و اطاعت والی زندگی کے ساتھ گذارنے کا ہم سب عہد کریں جو روزے کا اصل مقصد اور منشائے خداوندی ہے اللہ ہمارے اس مقصد میں سب کا مددگار ہو۔

وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَن يُنِيبُ۔ ترجمہ اور جو رخ کر لیتا ہے اللہ کی طرف اس کو راستے پر لگا دیتا ہے۔

غربا کو بھی

عید کی خوشیوں

میں شامل کیجئے؟

خداوند تعالیٰ کا مہمانِ عظیم رب العلیٰ کا خاص مہینہ اپنی رحمتوں کے خزانوں کو سمیٹ کر کوچ کر چکا ہے۔ قلب مسلمان اس کی جدائی پر اشک ریز ہے۔ برکتوں کے دن رحمتوں کی راتیں ہم سے گیارہ ماہ کے لیے رخصت ہوتی ہیں۔ بسیار خوری کا زمانہ آتا ہے۔ اے مومنین! دو ایک دن اپنے نفس کو اور مارو۔ تزکیہ نفس اور کرو۔ اور اعمال کی تعمیر کرو۔ خدا کی محتاج مخلوق کو خیرات دو۔ تم یہاں خیرات کرو گے وہاں پروردگار اس کا اجر تمہیں ستر گنا دے گا۔ اس کی جدائی سے قلب مسلم پر یاس کے بادل چھائے ہوتے ہیں۔ لیکن اس یاس کے پیچھے ایک گونا گوں خوشی بھی پنہاں ہے۔

جب کوئی دنیاوی مالک اپنے غلام سے بے پناہ کام لیتا ہے اور وہ غلام اپنے آقا کے امتحان میں پورا اترتا ہے تو مالک اپنے غلام کی طرف نظر کرم ڈالتا ہے۔ اس کے خالی کشکول کو تمناؤں اور مرادوں سے بھر دیتا ہے۔ کیونکہ اس نے جس آزمائش میں اپنے غلام کو مبتلا کیا تھا وہ اس میں ثابت قدم رہا اور صبر وشکر سے ہر تکلیف کو برداشت کرتا رہا۔ مالک نے صبر وشکر کے بدلے اس کو بے پناہ خوشیاں بہم پہنچائیں۔

ہم خاکی پتلے اس کے بندے ہیں۔ وہ ہمارا آقا اور مالک ہے۔ اس کی بندگی کرنا ہمارا فرض اولین ہے۔ رمضان شریف کے مقدس ترین مہینے میں پروردگار اپنے بندوں کی آزمائش کرتا ہے۔ ان کو تیس دن اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ وہ صرف اس کے لیے اپنی بھوک پیاس روکیں۔ اس کی عبادت کریں۔ دن کو روزہ رکھیں اور رات کو شب بیداری کریں۔ بندہ اپنے آقا اپنے مالک کا حکم بجالاتا ہے اپنے نفس کو مارتا ہے جب نفس اس پر غالب آتا ہے تو وہ اس کو جھڑک دیتا ہے شیطانی طاقتوں کے خلاف جہاد کرتا ہے اور اس میں فاتح کا لقب حاصل کرتا ہے پروردگار اپنے بندے کی عبادت سے جھوم اٹھتا ہے۔ رحمت ومغفرت کے خزانے کھول دیتا ہے روزہ کا بدلہ خود دیتا ہے اور اس کا اجر جنت دیتا ہے ہم خاکی پتلے دنیا کے بھی متوالے ہیں اور خداوند قدوس ہماری دنیاوی خوشی کو بھی مدِنظر رکھتا ہے۔ رمضان کا تحفہ ہمیں عید کی شکل میں مرحمت فرماتا ہے۔ اعلیٰ مرتبہ رکھنے والے بڑی شان و شوکت سے عید مناتے ہیں اور دل کھول کر عید کی تیاریوں پہ خرچ صرف کرتے ہیں۔

محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کا

ایک یتیم بچے کے ساتھ مشفقانہ سلوک

پاکبازوں کی جماعت عیدگاہ روانہ ہو گئی

صبح کا وقت ہے روزِ عید ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں فضائل عید کے احکام بیان کر رہے ہیں صحابہ کرام محوِ نظارہ دید ہیں، تمام صحابہؓ خوش ہیں کہ ابھی ربّ العزت سے عیدگاہ میں تحائف وصول کرنے کے لیے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں جائیں گے۔ احکام و فضائل عید سننے کے بعد تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے، تاکہ غسل کر کے سفید کپڑے پہن کر مسجد نبوی میں وقت مقررہ پر آ جائیں اور رحمۃ للعالمین کی زیر قیادت عیدگاہ کا رخ کریں، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے گھر تشریف لے گئے جب آپ گھر تشریف لائے تو حسنین رضی اللہ عنہما (شہیدین) نہا دھو کر خوشبو لگا کر آپ کے انتظار میں بڑی بے قراری سے وقت کاٹ رہے تھے، جونہی دہلیز میں آپ نے قدم رکھا تو خدا کے لاڈلے نبیؐ کے لاڈلے نواسے "نانا" "نانا" کہہ کر آپؐ سے چمٹ گئے آپ نے دونوں کی پیشانیاں چومیں اور انہیں اندر لے گئے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی گود میں بٹھا دیا اور فرمایا عائشہ! انہیں کھانے کے لیے کچھ دو۔ فراغت غسل کے بعد آپؐ نے سفید کپڑے زیب تن کیے۔ خوشبو لگائی۔ اتنے میں موذن حضرت بلالؓ نے دروازے پہ دستک دی۔ آپ اور حسنین شہیدینؓ مسجد نبوی میں تشریف لے گئے سب صحابہؓ کبار آپ کے انتظار میں جمع تھے، پاک لوگوں کی جماعت ایک پاکباز رہبر کی سرکردگی میں عیدگاہ کی طرف روانہ ہوئی۔ جبرائیل نورانی فرشتوں سمیت بارگاہ نبوی میں نیاز حاصل کرنے آئے ہوئے تھے تاکہ مقدس ترین انسانوں کے پاؤں کی مٹی کے مبارک ذرات سے ان کے نورانی پر شرف حاصل کریں۔ صلحا روحیں قطار در قطار راستے کے دونوں طرف اس مقدس قافلے کے استقبال کے لیے بے چین کھڑی تھیں۔ اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد کی دھیمی آواز میں ورد کرتا ہوا یہ قافلہ آہستہ آہستہ پروقار انداز میں عیدگاہ کی طرف بڑھتا چلا جا رہا تھا۔

ارض مقدس کی یہ نامور ہستیاں عیدگاہ کے قریب پہنچنے والی تھیں کہ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کانوں میں کسی کے رونے کی آواز آئی۔ یہ کسی بچے کی آواز معلوم ہوتی تھی۔ جو اس درد و رقت کے ساتھ رو رہا تھا جس کا اندازہ یتیمی کے ماحول میں پلے ہوئے انسان ہی کو ہو سکتا ہے۔ آپؐ نے دیکھا دُور ایک بچہ بوسیدہ کپڑوں میں ملبوس ہے جونہی بچوں کے قہقہے سنتا ہے اپنی درد انگیز آواز بلند کرتا ہے، اس امید پہ گذرنے والے صرف قہقہوں کو سن کر یہ نہ خیال کریں کہ آج چونکہ عید ہے اس لیے ہر چھوٹے بڑے کا چہرہ روشن ہے۔

آپ نے اس طرف رخ کیا۔ کائنات کا رخ تبدیل ہو گیا، حسن و حسین پیدل، صحابہ پیچھے۔ آپ بچے کے قریب پہنچے بچہ اتنا بڑا مجمع اپنی طرف آتے ہوئے دیکھ کر سہم گیا۔ اور سسکیاں بھرنے لگا۔ آپ کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ اپنا یتیمی کا دور یاد آ گیا۔

بیٹے کو باپ مل گیا

فرمایا: بیٹا کیوں رو رہا ہے۔ بچے نے غور سے آپؐ کی طرف دیکھا اسے پہلی بار احساس ہوا کہ باپ اپنے لخت جگر کو جب "بیٹا" کہہ کر پکارتا ہے تو اسے کتنا لطف آتا ہے۔ میں یتیم ہوں، میرا باپ تو مر چکا ہے۔ اب بھی دنیا میں کوئی مجھے بیٹا کہہ کر پکارنے والا ہو سکتا ہے؟ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ رو رو کر بے ہوش ہو گیا ہے اور خواب میں اس کے باپ کی روح اس سے ہمکلام ہے۔ بچے کی معصومیت نے بغیر کہے سب کچھ کہہ دیا۔ یتیم پیغمبر نے یتیم بچے کو اپنے دوش مبارک پر سوار کر لیا۔ اسی دوش پر جہاں چند منٹ پہلے آسمان حسن کے حسین ترین ماہ پارے بیٹھے تھے۔ اب ایک یتیم لاوارث بے کس، معصوم اور چیتھڑوں میں ملبوس آٹھ سال کا بچہ بیٹھا ہے اور اپنی یتیمی پر فخر کر رہا ہے۔

یتیم: ابا آپ کون ہیں؟

پیغمبر: بیٹا۔ میں تمہارا ابا ہوں۔

یتیم: واقعی آپ میرے ابا ہیں۔ آپ روئے کیوں رہے ہیں۔

پیغمبر: اس لیے کہ تم پتہ نہیں کتنی دیر سے روتے رہے

یتیم: مجھے تو احساس ہی نہیں کہ میں رویا بھی ہوں۔

خاتونِ جنتؓ کے مبارک ہاتھوں نے اسے غسل دیا۔

اے آسمان تو نے جھک کر دیکھ لیا۔ زمین تو نے اوپر یہ منظر بھی دیکھ لیا۔ ہوا تو نے اپنی خنکی میں خوشبو محسوس کر لی۔ درختو! تم نے اپنے جھومنے میں مستی بھی دیکھ لی۔ مورخو! تم اسے تاریخ کا فوٹو بنا لو۔ کہ ہمارے پیغمبر نے یتیم بچے کو اس منصب کا اہل قرار دیا جس منصب کے اہل حسن و حسینؓ تھے اس کے نواسے پیدل چل رہے تھے یتیم کندھے پر سوار تھا۔ پھر آپ کو پتہ وہ کہاں گئے عیدگاہ کی طرف۔؟ نہیں نہیں وہ تو نزدیک آ چکی تھی۔ اسے اتنی دیر تو کندھوں پر سوار رہنا تھا۔ جتنی دیر حسنینؓ رہے تھے۔ وقت کی گھڑیو! تم اپنی رفتار مدھم کر لو۔ سورج! تم اپنی رفتار نرم کر لو۔ نظام کائنات ذرا رک جاؤ۔ جب تک اس یتیم کی عید نہ ہو گی۔ پیغمبر کی عید نہیں ہو گی۔ تو کسی کی عید نہیں ہو گی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لاتے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ آپ کے اچانک ورود مسعود پر حیران ہو جاتی ہیں۔ وجہ پوچھتی ہیں۔ آپؐ فرماتے ہیں۔ عائشہ! تم اولاد کے لیے ترستی تھیں نا۔ آج خدا نے تمہاری آرزو پوری کر دی۔ میری اور سب مسلمانوں کی عید سے پہلے تمہاری عید ہو گئی۔ اللہ نے تمہاری سن لی۔ (یتیم کو آگے کرتے ہوئے) یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پسندیدہ بیٹا ہے۔

عائشہؓ: اھلاً و سھلاً و مرحبا یا بنی کہہ کر بچے کو گود میں لے کر چوم رہی ہیں۔

پیغمبر: اے عائشہؓ اس کا کوئی ابا نہیں۔ محمد اس کا ابا ہے اس کی کوئی ماں نہیں۔ تو اس کی ماں ہے۔ اس کا کوئی بھائی نہیں حسینؓ و حسنؓ اس کے بھائی ہیں۔ اس کی کوئی بہن نہیں فاطمہؓ اس کی بہن ہے۔ اٹھو عائشہ! بچے کو نہلاؤ! حضرت عائشہؓ اور حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم دونوں نہلانے کی تیاری میں مصروف ہیں اتنے میں حضرت فاطمۃ الزہراؓ تشریف لاتی ہیں آپ کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں بیٹی! مجھے یاد ہے تم اپنے قاسم و ابراہیم بھائیوں کی موت پر روئی تھیں آج اللہ نے ان کے بدلے تمہیں بھائی دے دیا ہے تمہارا چھوٹا بھائی۔ اسے ہم نہلا رہے ہیں تاکہ نہا دھو کر صاف ستھرے کپڑے پہن کر ہمارے ساتھ عید پڑھنے جائے۔

فاطمہؓ: اھلاً و سھلاً و مرحبا یا اخی کہہ کر حضرت فاطمہ پانی لینے چلی جاتی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مبارک ہاتھوں سے بچے کے جسم پر لگی ہوئی میل اتار رہے ہیں جنت کی عورتوں کی سردار فاطمہؓ اپنے ہاتھوں سے بھائی کے معصوم بدن پر پانی ڈال رہی ہیں۔ حسنؓ و حسینؓ اپنے کپڑوں میں بھائی کے لیے اچھے سے اچھے جوڑے کا انتخاب کر رہے ہیں گویا گھر کا ہر فرد حقیقی طور پر عید یتیم سے لطف اندوز ہو رہا ہے۔

پاکستان کی سب سے بڑی عیدگاہ شاہی مسجد لاہور

اسلاف کی یہ مقدس میراث ایک سیرگاہ بن کر رہ گئی ہے

قرآن و سنت کی تعلیمات سے گونجنے والے حجرے آج خاموش ہیں

اس کا عالی شان دالان علماء اور شیوخ کی محفلوں کو ترس گیا ہے

شاہی مسجد کا حضوری باغ آج بھنگیوں، جواریوں اور مالشیوں کے غیر شرعی افعال کی آماجگاہ بن گیا ہے

علماء کو تقسیم اسناد کی تقریب میں وفاقی وزیر حج و اوقاف کی خدمت میں ڈائریکٹر علماء اکیڈمی کا سپاسنامہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم،

اٹھارہویں اور انیسویں صدی عیسوی کا موڑ، مشرق کے زوال اور مغرب کے عروج کا موڑ تھا۔ یورپی استعمار نے اسلامی دنیا پر سیاسی تسلط جمانے اور اسے برقرار رکھنے کے لیے جو منصوبہ بندی کی تھی اس میں آئمہ، خطباء، علماء اور شیوخ کو خاص اہمیت دی گئی تھی۔ اقوام و ملل کی معاشرت و نفسیات کے مغربی ماہرین کی تحقیقات کی روشنی میں مغربی استعمار کو صاف نظر آ رہا تھا کہ مسلمان سلاطین کے سیاسی اقتدار کے بعد مسلمان عوام کے اصل نمائندے خطباء مساجد اور علماء مدارس تھے جب تک اسلامی تہذیب و ثقافت کے یہ چشمے جاری رہتے۔ سلاطین سے اقتدار چھین لینے کے باوجود مسلمانوں پر تا دیر حکمرانی کرنا ناممکن تھا۔ نپولین بوناپارٹ کے معاصر نامور مصری مورخ عبدالرحمٰن الجبرتی کا بیان جو انہوں نے اپنی چار جلدوں میں ضخیم کتاب عجائب الآثار فی التراجم و الاخبار کی تیسری جلد کے آغاز میں ریکارڈ کیا ہے۔ اس صورت حال پر نہایت معتبر تاریخی شہادت کی حیثیت رکھتا ہے وہ لکھتے ہیں:

نپولین بوناپارٹ کا ایک فرمان

اسکندریہ پر قبضہ کرتے ہی علی الصبح بوناپارٹ نے نہایت فصیح عربی زبان میں ایک بیان جاری کیا جو عین اسلامی روایات کے مطابق یوں شروع تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ یہ اعلان فرانسیسی حکومت کی طرف سے ہے جو حریت و مساوات کے اصولوں پر قائم ہے جو چاہتی ہے کہ یہ اصول مصر میں بھی رائج ہوں۔ اللہ کی نظر میں سب انسان برابر ہیں۔ بجز ذہانت اور حسن سیرت کے۔ مملوک خاندان میں نہ ذہانت ہے اور نہ حسن سیرت، انہیں مصر پر حکمرانی اور اس کے نیک سیرت باشندوں پر تسلط کا کوئی حق نہیں۔ انھوں نے دنیا کے اس افضل ترین ملک کو برباد کر دیا ہے اس کے بڑے بڑے شہروں اور نہروں کو جس کی وجہ سے دنیا میں اس کی شہرت تھی، تباہ کر دیا ہے۔ فرانسیسی حکومت یہ ظلم برداشت نہیں کر سکتی تھی اس کی افواج مصری عوام کو اس ظالمانہ نظام سے نجات دلانے کے لیے یہاں آئی ہیں۔ اب ان کا اقتدار ختم ہو کر رہے گا۔ آج سے مصری عوام کو بڑے سے بڑے عہدے پر پہنچنے سے کوئی نہیں روک سکے گا۔ نئے نظام کے تحت نیک سیرت اور اہل علم حضرات امور سلطنت چلائیں گے اور امت ترقی اور خوشحالی کی طرف قدم بڑھائے گی۔

ایک دوسرے اعلان میں قومی جذبات کے ساتھ ساتھ مذہبی جذبات کو خاص طور پر اپیل کی گئی۔

یہ عام طور پر کہا جا رہا ہے کہ میں اس ملک میں تمہارے دین کو مٹانے آیا ہوں۔ یہ سراسر جھوٹ ہے اسے ہرگز نہ مانو، ایسے مصریوں سے کہہ دو کہ میں مظلوموں کو ظالموں سے نجات دلانے آیا ہوں۔ میں اللہ جل شانہٗ کی عبادت اس کے رسول مقبول کی عزت اور قرآن مجید کی حرمت، مملوک خاندان سے کہیں زیادہ کرتا ہوں۔ اے شیوخ قضاۃ آئمہ، عمال اور معززین شہر عوام کو بتا دیجیے کہ فرانسیسی بھی آپ کی طرح مخلص مسلمان ہیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے روم پر قبضہ کر لیا ہے اور پاپائے اعظم کو تباہ کر دیا ہے صرف اس لیے کہ وہ ہمیشہ عیسائیوں کو اسلام پر حملہ کرنے کے لیے اکساتا رہتا تھا۔ پھر ہم نے جزیرہ مالٹا کا رخ کیا اور وہاں سے اس فوجی ٹولے کو جلا وطن کر دیا جو اس عقیدے کا ماننے والا تھا کہ مسلمانوں کے خلاف مسلسل جنگ کرتے رہنا اللہ کا فرمان ہے۔ پھر فرانسیسی ہمیشہ سے خلفائے عثمانیہ کے مخلص دوست رہے ہیں اور ان کے دشمنوں کے دشمن۔

نپولین کے اس بیان سے واضح ہوتا ہے کہ مغربی استعمار مسلمان سلاطین کے بعد سب سے زیادہ اہمیت علماء و خطباء کو دیتے تھے اور انہیں زیر کرنے کے لیے قوت استعمال کرنے کی بجائے سیاست اور چالاکی سے کام لینا چاہتے تھے۔ شیوخ جامعہ الازہر میں سے عبدالرحمٰن الجبرتی نے اس بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ یہ محض دجل و فریب تھا۔ مکارانہ چال اور علماء و عوام کو جال میں پھنسانے کا حیلہ۔ البرٹ ہورانی کا تبصرہ یہ ہے کہ یہ انہونی بات تھی کہ نپولین علماء و شیوخ کو شریک اقتدار بناتا۔ کیونکہ علماء کی نظر میں ایک غیر مسلم اسلام اور مسلمانوں کا خیر خواہ نہیں ہو سکتا تھا۔

علماء کے خلاف برطانوی استعمار کے ہتھکنڈے

سیاسی تسلط کے بعد جب برصغیر پاک و ہند کے علماء و خطباء اور شیوخ کو اپنی مکاری اور شعبدہ بازی سے کام لے کر برطانوی استعمار نے اپنے جال میں پھنسانے کی کوشش کی، امت مسلمہ کے ان نمائندوں نے اسی فراست مومنانہ سے کام لیا جس کا مظاہرہ علماء و شیوخ مصر کر چکے تھے۔ عمرانیات و معاشرت کے مغربی ماہرین کی تحقیقات نے مغربی استعمار کی اس حد تک مدد کی کہ انہوں نے صحیح طور پر مسلمان سلاطین کے بعد علماء و خطباء کو اپنا اصل حریف سمجھا۔ لیکن وہ علماء کو اپنے مقصد کے لیے

سونے کی تاروں سے قرآن حکیم کی تزئین پر حکومت تین لاکھ روپے خرچ کر چکی ہے

اس کی تبلیغ و اشاعت کا اہتمام اس سے بڑھ چڑھ کر ہونا چاہیئے۔

- اسلام نے قرآن حکیم، مسجد اور امام کو عظیم مرتبہ عطا کیا ہے۔
- اسلام کے یہ تین ستون۔ آج معاشرے میں کیا مقام رکھتے ہیں ——؟
- اس موضوع پر علمی مذاکروں کا اہتمام ہونا چاہیئے

اگر —— ڈاکٹر نائٹر کے تعمیر کردہ اورینٹل کالج کی سوسالہ تقریبات منائی جا سکتی ہیں —— تو اورنگ زیب عالمگیر کی تعمیر کردہ شاہی مسجد کی تین سو سالہ تقریبات کیوں نہ منائی جائیں

قرآن، مسجد اور امام اسلامی تہذیب و تمدن کے تین ستون ہیں۔ عوامی حکومت اور وزارت اوقاف پر یہ ذمہ داری عاید ہوتی ہے کہ ان کے شایان شان انتظامات کرے۔ قرآن حکیم کی تعلیم و تکریم کا اہتمام وفاقی حکومت پہلے ہی کر رہی ہے اور مطلّا قرآن حکیم کی تیاری پر تقریباً تین لاکھ روپیہ خرچ کر چکی ہے عنقریب قرآن حکیم کا یہ مطلّا نسخہ بادشاہی مسجد کی زینت بننے والا ہے۔ جب قرآن حکیم کے الفاظ کی تزئین پر خرچ ہونے والی خطیر رقم کو اپنے لیے باعث سعادت سمجھتے ہیں تو اس کے معانی و مفاہیم اور اس کی تعلیمات و احکام کی تبلیغ و اشاعت کا اہتمام اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہونا چاہیئے۔

بادشاہی مسجد ۱۶۷۳ء میں مکمل ہوئی تھی۔ اب پورے تین سو سال ہو چکے ہیں۔ جناب محترم! مسلم معاشرے میں مسجد ایک بہت بڑا مقام رکھتی ہے۔ عہد نبوی سے لے کر اب تک مسجد ہماری تعلیم و تربیت اور علم و تحقیق کا مرکز رہی ہے۔ اس اعتبار سے بادشاہی مسجد کی سہ صد سالہ تقریبات کا اہتمام کرنا اسلامی تہذیب و ثقافت کی ایک عظیم خدمت سمجھی جائے گی۔

قرآن حکیم کی تبلیغ و اشاعت اور مسجد کا انتظام و انصرام صدہا سال سے امام کا فریضہ رہا ہے اس لیے اسلام میں امام کا مقام، اس کے زوال کے اسباب، اور اسے دوبارہ اصل مقام دلانے کے لیے اقدامات پر غور، دور حاضر کا ایک اہم موضوع ہے۔

استعمال کرنے کی منصوبہ بندی میں بری طرح ناکام ہوتے۔ اپنی ناکامی کے اسباب پر غور کرنے کے بعد اسی نتیجے پر پہنچے کہ :—

(۱) علماء و خطباء اور مدرسین مسلم قوت کے سرچشمے ہیں۔

(۲) مسلمانوں کی تعلیم اور ذہنی و فکری تربیت کے مراکز مساجد، مکاتب اور مدارس ہیں۔

(۳) برطانیہ کی مجموعی قوت بھی کسی قانون یا فوجی طاقت کے ذریعے مسلم قوت کے سرچشموں کو ختم نہیں کر سکتی اور نہ ہی ان کی تعلیم و تربیت کے مراکز مساجد اور مکاتب کو بند کر سکتی ہے۔

(۴) اس صورت حال کا واحد حل یہ ہے کہ انہیں علیٰ حالہ چھوڑ کر تعلیم و تربیت کا نیا نظام رائج کر دیا جائے اور ترغیب و تربیت کے ذریعے مسلمان عوام کو مساجد و مکاتب کی بجائے ان برطانوی مراکز کی طرف مائل کیا جائے۔

(۵) اس طرح نئے نظام تعلیم کے تحت تعلیم و تربیت پانے والے مسلمان طلبہ ابتداً علماء و خطباء کی عزت کے ساتھ ساتھ نئی طرز کے اساتذہ کی عزت و تکریم پر خود بخود مجبور ہو جائیں گے۔ اور محض مساجد و مکاتب کو اپنی تعلیم و تربیت کے مراکز تصور کرنے کی بجائے کالج اور یونیورسٹی کی تکریم بھی کرنے لگ جائیں گے۔

(۶) برطانوی نظام تعلیم کی تربیت، ترکیب، تنظیم اور نصاب کی تسوید و تبویب اور اساتذہ کی تقرری و تعطلی چونکہ کلیتہً برطانوی ماہرین تعلیم کے ہاتھ میں ہوگی اس لیے بتدریج مسلمان طلبہ کو کلیتہً مسلم قوت کے سرچشموں اور مسلم تعلیم و تربیت کے مراکز سے متنفر کرنا آسان ہو جائے گا۔

(۷) برطانوی نظام حکومت میں معیشت و روزگار کا دارومدار چونکہ کلیتہً برطانوی تعلیم کا مرہون منت ہوگا اس لیے اگر کسی اور مقصد کے تحت نہ سہی صرف زندہ رہنے کے لیے ہی مسلمان طلبہ کو برطانوی نظام تعلیم میں پروان چڑھنا پڑے گا۔ اس طرح معیشت کو تعلیم سے منسلک کر کے مسلمان کو آسانی سے مسجد و مکتب سے کاٹ لیا جائے گا۔

برطانوی مفکرین کی اس سوچ کو برصغیر پاک و ہند میں نافذ کر دیا گیا۔ جیسے جیسے نیا نظام تعلیم وسعت اختیار کرتا چلا گیا، برطانوی توقعات کے عین مطابق مسلمان اپنی قوت کے سرچشموں سے کٹتے چلے گئے۔ استعمار کی یہ سکیم اتنی کامیاب ثابت ہوئی کہ ۱۸۴۶ء میں سرہنری ہارڈنگ کے لاہور پر قبضے اور مارچ ۱۸۴۹ء میں برطانوی گورنر جنرل کے اعلان کے مطابق پنجاب کے برطانوی سلطنت میں باقاعدہ ضم کرنے کے بعد سے اب تک پاکستانی تعلیمی اداروں میں اسلامیات کا جیز لگاؤ کرنے کے باوجود، صورت حال میں کوئی نمایاں تبدیلی نہیں ہوئی۔ مساجد و مکاتب اور کالج و یونیورسٹی نہ صرف

نصاب ہائے تعلیم میں وہی بُعد برقرار ہے بلکہ دونوں نظاموں کے اساتذہ اور طلبہ کے درمیان وہی ذہنی و فکری تضاد موجود ہے۔ لارڈ میکالے کے ترتیب دیئے ہوئے برطانوی نظام تعلیم کے اس پہلو پر بہت تنقید ہو چکی ہے کہ اس کا مقصد محض دفتری بابو پیدا کرنا تھا لیکن اس نظام تعلیم کے ان مقاصد کی طرف بہت کم توجہ دی گئی جن کا اوپر ذکر ہوا۔

مذہب سے نجات دلانے کے ہتھکنڈے

برطانوی تعلیمی ماہرین کی سوچ کا خمیر ان مفکرین کی آراء سے اٹھا تھا جنہوں نے پادری کے خلاف زبردست جنگ جیتی تھی۔ مغربی نظام حیات، پادری اور گرجے کے خلاف بغاوت کے نتیجے میں پروان چڑھا تھا۔ پادری صاحبان خدا، انجیل اور گرجے کو یورپی عوام کے خلاف، یورپ میں مروج جاگیرداری پر مبنی ظالمانہ نظام حکومت کی تائید میں استعمال کر رہے تھے جبکہ یورپی مفکرین اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اخوت، مساوات اور حریت کے علمبردار بن چکے تھے۔ جب پادری صاحبان نے مذہب کو خود انسان کے خلاف استعمال کرنے پر اصرار کیا تو یورپی مفکرین کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا کہ وہ ایسے مذہب سے عوام کو نجات دلائیں اور ایک سیکولر طرز کے معاشرے کو معرض وجود میں لائیں جس میں مذہب انسان کے خلاف استعمال

نہ ہونے پاتے۔ یورپی تمدن کے انہی اثرات کے تحت جب برطانیہ نے اپنا نظام تعلیم یہاں رائج کیا تو مسلمان طلبہ پر شعوری یا غیر شعوری طور پر مذہب سے بیزاری کے رجحانات پیدا ہونا لازمی تھے حالانکہ فی الواقع دونوں تمدنوں کے اصولوں میں بنیادی فرق تھا۔ بقول سید جمال الدین افغانیؒ یورپ کی ترقی کا راز، عیسائیت سے بغاوت میں مضمر تھا جبکہ مسلمانوں کے زوال کا سبب اسلام سے انحراف ہے۔

برطانوی سامراج جب اپنی سائنسی اور تکنیکی ترقی اور فوجی و اقتصادی قوت کے باوجود طاقت کے بل بوتے پر ہماری قوت کے سرچشموں اور ہماری تعلیم و تربیت کے مراکز کو زیر نہ کر سکا تو اس نے بظاہر سود مند لیکن انتہائی ترقی یافتہ اور مہذب ہتھیار، نظام تعلیم استعمال کیا اور مسلمان بخوشی برطانوی امور و اغلال کے اسیر ہوتے چلے گئے۔

اس وقت یہ دونوں نظام تعلیم ہمارے ہاں رائج ہیں دونوں نظامہائے تعلیم اپنے اغراض و مقاصد کے اعتبار سے ایک دوسرے کی ضد ہیں وہ مختلف ذہن پیدا کر رہے ہیں۔ نقطہ نظر کا یہ اختلاف ہمارے ہاں ذہنی و نفسیاتی کشمکش، معاشرتی و سیاسی انتشار، اقتصادی و قانونی فساد کا سب سے بڑا سبب ہے۔ ان دو متضاد اور خود مختار نظامہائے تعلیم کی موجودگی میں کسی متحدہ قومی نقطہ نظر کا پیدا ہونا ناممکن ہے۔ عائلی قوانین، خاندانی منصوبہ بندی اور ایسے بہت سے معاشرتی اور اقتصادی قوانین کی مدرسہ کی طرف سے شدید مذمت ہو چکی ہے۔

مسلسل نظریاتی اختلاف و تصادم نے قوم کو بری طرح متاثر کیا ہے، ایک ڈاکٹر سرکاری ملازمت کی وجہ سے حکومت کی نافذ کردہ خاندانی منصوبہ بندی کی سکیم پر دن رات عمل کرتا ہے لیکن دوسری طرف منصوبہ بندی کے

یہ حضوری باغ جو اپنی خوبصورتی اور تازگی میں دنیا کی بڑی سے بڑی یونیورسٹیوں کے لانوں پر فوقیت رکھتا ہے۔ آج بھنگیوں، چرسیوں، مالشیوں، جواریوں اور دوسرے غیر شرعی افعال کے مرتکبین کی آماجگاہ بن چکا ہے۔ یہ ماحول یقیناً نہ اورنگ زیب عالمگیر کاتب قرآن بانی شاہی مسجد کی روح کو خوش کر سکتا ہے اور نہ مصور پاکستان شاعر مشرق علامہ اقبال مرحوم کے لیے اطمینان بخش ثابت ہو سکتا ہے

خلاف فتویٰ کے باعث وہ مذہبی وابستگی کی بنا پر اس سکیم سے نفرت کرتا ہے۔ اسی طرح بینکوں، انشورنس کمپنیوں اور دوسرے تجارتی واقتصادی اداروں کے ملازمین کے دل و دماغ دو حصوں میں منقسم ہیں۔ ایک طرف وہ روٹی کے لیے ملازمت کرتے ہیں اور اس کی ذمہ داریاں سنبھالتے ہیں دوسری طرف دل ہی دل میں اپنی ملازمت سے نفرت کرتے ہیں اس صورت حال سے معاشرہ میں اضطراب و بے چینی کے سوا اور کس چیز کا فروغ حاصل ہوگا؟

دونوں نظامہائے تعلیم کی موجودگی میں پھر یونیورسٹی کے نظام ونصاب میں کوئی اصلاح اساتذہ کے عہدے اور ان کی فلاح کے لیے بہتر دعدے، تعلیمی پالیسیوں کی ترتیب نو فکری نقطہ نظر سے کوئی نتیجہ پیدا نہیں کر سکیں گے جب تک قرآن وسنت کو محور مان کر یونیورسٹی کے نصاب کو از سر نو تشکیل نہیں دیا جاتا، اور جب تک دینی اور برطانوی نظاموں کے طلبہ یکجا تعلیم حاصل نہیں کرتے نظریاتی اتحاد اور قومی نقطہ نظر کا پیدا ہونا محال ہے۔

جدید نظام تعلیم اور دینی مدرسے

یہ عام نظریہ ۔۔۔۔ کہ جدید تعلیم کے فروغ سے نظام مدرسہ خود بخود مٹ جائے گا۔ حقیقت پر مبنی نہیں۔ مغربی سامراج اس میں بری طرح ناکام ہوا ہے۔ ہمارے سامنے عہد حاضر کی دو مثالیں موجود ہیں۔ ایک یورپ وامریکہ کی اور دوسرے کمیونسٹ ممالک کی۔ یورپ نے صدیوں کی کشمکش کے بعد اس مسئلے کا حل یہ سوچا کہ دین اور سیاست کو الگ الگ کر دیا۔ کمیونسٹ دنیا نے سرے سے دین ہی کو ختم کر دیا۔ پاکستان کے لیے نہ یورپ کی مثال کوئی اسوہ حسنہ پیش کرتی ہے اور نہ کمیونسٹ دنیا کی۔ ہمیں اپنے مخصوص حالات کی بنا پر اپنا مسئلہ خود ہی حل کرنا ہوگا اور اس کا بہترین حل یہ ہے کہ ہم اسلامی علوم اور جدید علوم کو سامنے رکھ کر اپنے اسلاف کی طرح ایک جامع نظام تعلیم مرتب کریں۔

برطانوی استعمار نے متوازی نظام تعلیم رائج کر کے ہمارے علماء سے، مساجد و مکاتب میں مسلمان طلباء کی تعلیم و تربیت کا حق چھین لیا اور علماء اور طلبہ کے درمیان اپنے نظام تعلیم کی خلیج حائل کر کے علماء کے وقار اور مقام کو سخت نقصان پہنچایا۔

محترم المقام جناب وزیر حج و اوقاف! یہ بادشاہی مسجد جس کے میناروں کے زیر سایہ یہ تقریب منعقد کی گئی ہے، دنیا کی عظیم ترین عبادت گاہ اور اسلامی تہذیب وثقافت کا زندہ شاہکار ہے شہنشاہ محی الدین اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے نہ صرف بننے والے پاکستان کی سرزمین کو استحکام بخشنے کے لیے یہ بلند وبالا مینار تعمیر کیے تھے بلکہ اس پاک سرزمین کی تمام تعلیمی، علمی اور دینی ضروریات پوری کرنے کے لیے ایک عظیم درس گاہ کے قیام کی خاطر صاف ستھرے اور ہوادار حجروں کی تعمیر بھی کی تھی۔ ہند کے شمال مغربی صوبوں کے عوام کی اکثریت کو مسلمانوں میں تبدیل کرنے کے دوسرے

آپ کی فکری ونظری زندگی کا آغاز اور ارتقاء یہیں پر ہوا۔ آپ بخوبی واقف ہیں کہ ان مقدس مقامات کا نواح ان کی تقدیس وتکریم کے شایان شان نہیں ہمارے اسلاف کی یہ میراث ایک سیرگاہ بن کر رہ گئی ہے اس کے وسیع وعریض صحن کے اطراف پر بنے ہوئے قرآن وسنت کی تعلیمات سے گونجنے والے حجرات خاموش بیٹھے ہیں۔ اس کا عالیشان والان علماء وشیوخ کی محفلوں کو ترس گیا ہے۔

عوامل کے ساتھ ساتھ سب سے بڑے عامل مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کا عظیم مرکز شاہی مسجد اور ان کی عسکری قوت کا شاہکار یہ شاہی قلعے تھے۔ حضرت علامہ اقبال کے مزار اور مینار پاکستان کی تعمیر نے اس پورے علاقے کو پاکستانی تہذیب وثقافت کے عظیم مرکز میں تبدیل کر دیا ہے۔

حضور والا! آپ کی اپنی تعلیم وتربیت اسی شہر میں ہوئی۔ آپ کی فکری ونظری زندگی کا آغاز اور ارتقاء یہیں پر ہوا۔ آپ بخوبی واقف ہیں کہ ان مقدس مقامات کا نواح ان کی تقدیس وتکریم کے شایان شان نہیں ہمارے اسلاف کی یہ میراث ایک سیرگاہ بن کر رہ گئی ہے۔ اس کے وسیع وعریض صحن کے اطراف پر بنے ہوئے قرآن وسنت کی تعلیمات سے گونجنے والے حجرات خاموش بیٹھے ہیں۔ اس کا عالیشان والان علماء وشیوخ کی محفلوں کو ترس گیا ہے۔

یہ حضوری باغ جو اپنی خوبصورتی اور تازگی میں دنیا کی بڑی سے بڑی یونیورسٹیوں کے لانوں پر فوقیت رکھتا ہے آج بھنگیوں، چرسیوں، مالشیوں، جواریوں اور دوسرے غیر شرعی افعال کے مرتکبین کی آماجگاہ بن چکا ہے یہ ماحول یقیناً نہ اورنگ زیب عالمگیر کاتب قرآن بانی شاہی مسجد کی روح کو خوش کر سکتا ہے اور نہ مصور پاکستان شاعر مشرق علامہ اقبال مرحوم کے لیے اطمینان بخش ثابت ہو سکتا ہے۔

قرآن، مسجد اور امام اسلامی تہذیب وتمدن کے تین ستون ہیں۔ عوامی حکومت اور وزارت اوقاف پر یہ ذمہ داری عاید ہوتی ہے کہ ان کے شایان شان انتظامات کرے۔ قرآن حکیم کی تعظیم وتکریم کا اہتمام وفاقی حکومت پہلے ہی کر رہی ہے اور مطلا قرآن حکیم کی تیاری پر تقریباً تین لاکھ روپیہ خرچ کر چکی ہے عنقریب قرآن حکیم کا یہ مطلا نسخہ بادشاہی مسجد کی زینت بننے والا ہے۔ جب قرآن پاک کے الفاظ کی تزئین پر خرچ ہونے والی خطیر رقم کو اپنے لیے باعث سعادت سمجھتے ہیں تو اس کے معانی ومفاہیم اور اس کی تعلیمات واحکام کی تبلیغ واشاعت کا اہتمام اس

سے بھی کہیں بڑھ چڑھ کر ہونا چاہیے۔

بادشاہی مسجد ۱۶۷۳ء میں مکمل ہوئی تھی۔ اب پورے تین سو سال ہو چکے ہیں۔ جناب محترم! مسلم معاشرے میں مسجد ایک بہت بڑا مقام رکھتی ہے عہد نبوی سے لے کر اب تک مسجد ہماری تعلیم وتربیت اور علم وتحقیق کا مرکز رہی ہے۔ اس اعتبار سے بادشاہی مسجد کی سہ صد سالہ تقریبات کا اہتمام کرنا اسلامی تہذیب وثقافت کی ایک عظیم خدمت سمجھی جائے گی۔ قرآن حکیم کی تبلیغ واشاعت اور مسجد کا انتظام وانصرام صدہا سال سے امام کا فریضہ رہا ہے اس لیے اسلام میں امام کا مقام، اس کے زوال کے اسباب اور اسے دوبارہ اصل مقام دلانے کے لیے اقدامات پر غور دور حاضر کا ایک اہم موضوع ہے۔

ان حقائق کے پیش نظر میری تجویز یہ ہے کہ قرآن، مسجد اور امام پر ایک تین روزہ کانفرنس منعقد کی جائے جس میں اسلام کے ان تین ستونوں کی مسلم معاشرے میں اہمیت، ضرورت اور افادیت پر تحقیقی مقالات اور علمی مذاکروں کا انتظام ہو۔

جناب محترم! ابھی چند ماہ قبل اورینٹل کالج کی صد سالہ تقریبات منائی گئیں۔ اور کچھ سال بعد پنجاب یونیورسٹی کی صد سالہ تقریبات منائی جانے والی ہیں۔ میں جناب والا سے درخواست کروں گا کہ اگر ڈاکٹر لائیٹنر کے تعمیر کردہ اورینٹل کالج کی صد سالہ تقریبات منائی جا سکتی ہیں تو محی الدین اورنگ زیب عالمگیرؒ کی تعمیر کردہ بادشاہی مسجد کی سہ صد سالہ تقریبات منانا عوامی حکومت اور وزارت حج واوقاف کی ذمہ داری ہے۔ مجھے قوی امید ہے کہ جناب میری اس تجویز کو قابل غور سمجھیں گے۔ اور قرآن، مسجد اور امام کی شایان شان کانفرنس کے انعقاد کا اہتمام فرمائیں گے۔

ڈائرکٹر علماء اکیڈمی جناب محمد یوسف گورایہ کے سپاسنامے کے جواب میں وفاقی وزیر حج واوقاف، اطلاعات ونشریات مولانا کوثر نیازی نے علماء اور ائمہ کی عظمت، ان کی دینی خدمات اور انگریزی سامراج کے خلاف ان کے مجاہدانہ کارناموں کا تذکرہ کرتے ہوئے اعلان کیا کہ ماہ نومبر میں بادشاہی مسجد کی تین سو سالہ تقریبات منعقد کی جائیں گی جس کا افتتاح وزیر اعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو کریں گے۔

لاہور کی عالمگیری جامع مسجد ۱۶۷۳ء میں مکمل ہوئی تھی جسے تین سو سال ہو گئے ہیں۔

بقیہ — صدر سویکارنو

ایک لاکھ چالیس ہزار ملازمین (بشمول دینی اساتذہ) کام کرتے ہیں اور اس کے تحت دینی تعلیم کے ۱۳۱۹ چھوٹے بڑے ادارے چل رہے ہیں۔

رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ وزارت امور مذہبیہ عملے کی تعداد کے اعتبار سے دوسری سب سے بڑی وزارت ہے۔ اس وزارت کی کارگزاری اور عوام میں بعض تنظیموں کے کام کے باوجود عیسائی مشنری اپنا اثر ونفوذ پیدا کرنے میں کامیاب ہو رہے ہیں۔ اس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ وہ نہایت منظم ہیں اور ان کو بیرونی حکومتوں اور تنظیموں کی امداد حاصل ہے۔

(روزنامہ امروز لاہور مورخہ ۴ر جون ۱۹۷۹ء)

بقیہ : احادیث الرسول

علیہ وسلم نے عید کے دن دو رکعتیں دوگانہ عید پڑھیں ۔ نہ اس سے پہلے کوئی نماز پڑھی اور نہ ہی اس کے بعد ۔

فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم نے یہی لکھا ہے کہ عیدگاہ میں نہ عید سے پہلے نفل پڑھنا جائز ہے اور نہ عید کی نماز کے بعد ۔ اور عید سے پہلے تو گھر میں بھی نفل پڑھنا ممنوع ہے ۔ البتہ عید نماز سے فارغ ہو کر گھر میں آکر نفل پڑھ سکتا ہے ۔

عید کی صبح کو کچھ کھا لینا چاہیے

عن انسؓ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یغدوا یوم الفطر حتّٰی یا کل تمرات ویا کلھنّ وتراً

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم عید فطر کے دن صبح چند کھجوریں کھا کر عیدگاہ کو جاتے تھے اور وتر یعنی تین یا پانچ یا سات کھجوریں تناول فرماتے تھے ۔

راستہ بدلنا

عن جابرؓ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا کان یوم عید خالف الطریق

حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ عید کے دن عیدگاہ کو آنے جانے کا راستہ بدل لیا کرتے تھے ۔

تاکہ دونوں راستے عبادت کے لیے آنے اور جانے کی گواہی دیں اور اس لیے بھی کہ دونوں راستوں میں رہنے والے غیر مسلموں کے سامنے مسلمانوں کی اجتماعیت کا مظاہرہ ہو ۔ اس کے علاوہ اور بھی حکمتیں ہوں گی جنہیں خدا ہی بہتر جانتا ہے ۔

صدقۃ الفطر

عن ابن عباسؓ قال فرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زکوٰۃ الفطر طھرا لصیام من اللغو والرفث وطعمۃً للمساکین ۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقۂ فطر کو اس لیے مقرر فرمایا ہے کہ روزہ میں جو لغو اور گناہ کی باتیں انسان سے نکل جاتی ہیں ان کا کفارہ ہو جائے ۔

عن ابن عباسؓ قال فی آخر رمضان اخرجوا صدقۃ صومکم فرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھٰذہ الصدقۃ صاعًا من تمر او شعیر او نصف صاع من قمح

حضرت ابن عباسؓ نے رمضان شریف کے آخر میں اعلان کیا کہ صدقہ فطر نکالا کرو ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مقرر فرمایا ہے ۔ کھجور اور جَو کا ایک صاع اور گندم کا نصف صاع ۔

نصف صاع ہمارے زمانے کے مقدار سے تقریباً دو سیر انگریزی بنتا ہے ۔

عن ابن عمرؓ قال فرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زکوٰۃ الفطر وامر بھا ان تودّٰی قبل خروج الناس الی الصلوٰۃ ۔

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ فطر مقرر کیا اور حکم دیا کہ صدقۂ فطر عیدگاہ جانے سے پہلے ادا کر دیا جائے ۔

بہتر صورت یہی ہے کہ عیدگاہ جانے سے پہلے ادا کر دیا جائے لیکن اگر سستی ہو گئی اور پہلے ادا نہیں کیا تو بھی دینا پڑے گا معاف نہیں ہو جاتا ۔ اگر عید کے دن سے پہلے رمضان شریف میں یا اس سے بھی پہلے پیشگی ادا کر دے تو بھی ادا ہو جاتا ہے صدقۂ فطر اس شخص پر واجب ہے جو عید کے دن نصاب کا مالک ہو ۔ نیز اپنے نابالغ بچوں کی جانب سے بھی ادا کرنا ضروری ہے ۔

شوال کے روزے

عن ابی ایوب الانصاری انّہ حدّثہ انّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم قال من صام رمضان ثمّ اتبعہ ستًّا من شوال کان کصیام الدھر ۔

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص شوال کے چھ روزے بھی رکھ لیتا ہے اس نے اتنا ثواب کمایا کہ گویا ساری عمر روزے رکھتا رہا ۔

اللہ تعالیٰ ایک نیکی کے بدلے دس نیکیاں عطا فرماتا ہے ۔ پس تیس روزے رمضان شریف کے گویا تین سو روزے ہو گئے ۔ یاد رہے انتیس روزوں کا ثواب بھی تیس روزوں کا ہی ملتا ہے ۔ کیونکہ نیت تو یہی ہوتی ہے کہ اگر چاند نظر نہ آیا تو تیسواں روزہ بھی رکھوں گا ۔ اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شھرا عید لا ینقصان ۔ عید یعنی رمضان شریف اور ذی الحجہ کا مہینہ ثواب میں کم نہیں ہوتے تیس کے ہوں چاہے انتیس کے ۔ بہرحال تین سو روزے تو تین سو دن کے ہو گئے ۔ اور چھ روزوں کا ثواب ساٹھ دن کا ہو جائیگا اور قمری سال تین سو ساٹھ دن سے زیادہ نہیں ہو سکتا ۔ اس لیے چھتیس روزے رکھنے والے کو تین سو ساٹھ دن یعنی پورے سال کا ثواب ملے گا اور جب اس کی عادت ہمیشہ یہی ہو تو گویا ساری زندگی روزہ رکھتا رہا اور صائم الدھر ہو گیا ۔ شوال کا پہلا دن اس سے مستثنیٰ ہے ۔ کیونکہ عید کے دن روزہ رکھنا ناجائز ہے ۔

بے ثواب روزہ

عن ابن عباسؓ انّ رجلین صلّیا صلوٰۃ الظھر او العصر وکانا صائمین فلما قضی النبی صلی اللہ علیہ وسلم الصلوٰۃ قال اعیدوا وضوءکما وصلوٰتکما وامضیا فی صومکما واقضیاہ یومًا آخر قالا لِمَ یا رسول اللہ قال اغتبتم فلانًا ۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں ۔ دو شخص جو کہ روزہ دار تھے انہوں نے ظہر یا عصر کی نماز پڑھی پھر جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے ۔ آپؐ نے ان دونوں کو فرمایا ۔ وضو دوبارہ کر لو ، نماز پھر پڑھو ۔ اور اس روزہ کو پورا تو کر لو ۔ لیکن اس کی قضا بھی رکھ لو ۔ انہوں نے عرض کیا حضرتؐ ! یہ کیوں ؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اس لیے کہ تم نے فلاں شخص کی غیبت کی

معلوم ہوا کہ غیبت سے وضو ، نماز ، روزہ کا ثواب جاتا رہتا ہے ۔ فرض تو ادا ہو جاتا ہے لیکن ان عبادات کے جو درجات ہیں وہ ختم ہو جاتے ہیں ۔ معاذ اللہ !

غیبت کے معنی یہ ہیں کہ جس شخص میں ایک ایسا عیب ہے جس کے بیان کرنے سے اس کا دل دکھتا ہے اور اس کی بے عزتی ہوتی ہے اس کو بلا ضرورت شرعیہ بیان کرنا یہ غیبت ہے ۔ اور اس سے انسان کی اپنی نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں ۔ اور ہم لوگ اس میں بہت زیادہ مبتلا ہیں ۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں ۔ آمین !

ضرورت شرعیہ سے مراد ۔ مثلاً عدالت میں گواہی دینا ہے کہ اس نے فلاں کا حق مارا ہے یا مثلاً اس کے غلط عقائد یا غلط مسائل اور غلط احکام کی تردید کرنا ہے ۔ اس سے بھی اس کا دل تو دکھتا ہے اور اس کی بے عزتی تو ہوتی ہے مگر مظلوم کا حق ثابت کرنا یا لوگوں کو مغالطہ سے نکالنا ایک شرعی ضرورت ہے ۔ جس کی وجہ سے اس عیب کو بیان کرنا نہ صرف جائز بلکہ واجب بھی ہے ۔ اس پر سکوت ناجائز اور گونگا شیطان بنتا ہے ۔

قرآن مجید کا ارشاد ہے ۔ ومن یکتمھا فانّہ اٰثم قلبہ ۔ جس نے گواہی کو چھپایا ۔ اس کا دل گنہ گار ہے ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا المومن یجاھد بسیفہ ولسانہ ۔ مسلمان تلوار سے اور زبان سے جہاد کرتا ہے ۔ اور دوسری جگہ فرمایا ۔ افضل الجھاد کلمۃ حق عند سلطان جائر ۔ ظالم بادشاہ کو کلمہ حق کہنا بہترین جہاد ہے او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم ۔

بہرحال مطلق کسی کی بری بات کا ذکر کرنا عیب نہیں بلکہ بلا اجازت وضرورت شرعیہ کی برائی بیان کرنا غیبت ہے ۔ یہ غیبت ایسی بری بلا ہے جس سے وضو ، نماز اور روزہ غارت ہو جاتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھیں ۔

⁂

طبی معلومات

حکیم نور احمد - صدر طبی کمیٹی - لاہور

ہمارے مہربان خدا نے ہمیں اس خوبصورت دنیا میں پیدا فرمایا۔ گذرِ اوقات کے لیے پانی ہوا اور سورج کی روشنی ہر امیر اور غریب کو اپنے لاتعداد خزانے سے مفت عطا فرمائی۔ یہی تین ضروری چیزیں ہمارے لیے دریا، سمندر، نہریں جاری کرتی ہیں۔ ان پانی کے ذخیروں سے زمین اور پہاڑ، خوشنما بیل بوٹے، درخت، رنگارنگ سبزیاں اور خوش ذائقہ پھل ہمارے کھانے کے لیے پیدا کرتے رہتے ہیں۔ سورج کی مختلف روشنیوں سے اپنی توانائی پیدا ہوتی ہے۔ آفتاب کی صحت بخش کرنیں اپنے ہارمونز (افرازات) سے سبزیوں، پھلوں اور ان کی مینگرن (مغزوں) میں بیشمار رنگ و روغن اور نقش و نگار بنا دیتی ہیں۔ ہوا کے بغیر چاند اور سورج تک پہنچنے والا انسان ایک گھنٹہ بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ علم طب کا ایک ادنیٰ طالب علم ہونے کی حیثیت سے میں یہ دعویٰ کر سکتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کی ان تینوں نعمتوں یعنی پانی، ہوا، اور روشنی کو جو ہمیں مفت ملتی ہیں۔ اگر ہم صحیح طریقہ سے استعمال کرتے رہیں۔ تو روزمرہ ہونے والی تین چوتھائی امراض سے ہم محفوظ رہ سکتے ہیں۔ ہمارے ان داتا خدا تعالیٰ نے ہمیں اس جہاں میں اپنا نائب بنا کر شرق و غرب کے سمندر جزیرے پہاڑ پیٹرول، ڈیزل آئل، سونا، پلاٹینم اور ریڈیم ہمارے ماتحت بنا دیئے۔ اس کے دیے ہوئے دل اور دماغ کو صحیح طور پہ کام میں لا کر ہم دنیا و مافیہا کی ہر چیز کو اپنا غلام بنا سکتے ہیں۔ ہمارے پاؤ سوا پاؤ وزنی دل میں اربوں کھربوں خواہشات جنم لیتی ہیں۔ ہمارے بمشکل آدھ سیر وزنی دماغ میں شعور اور لاشعور پر پدموں معلومات اور محسوسات جمع رکھتا ہے۔ یہ شعوری اور تحت الشعوری ادراکات اور محسوسات دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں سینکڑوں، ہزاروں خواہشات اور ارمان ہمارے سامنے عجیب و غریب سکیموں، پلانوں اور راتوں رات دولت مند بنانے والے نقشے پیش کرتے رہتے ہیں۔ اس فریب دینے والی دنیا کے دل میں سما جانے والے مکھڑے اور ناز نخرے ہمیں صحت مند راستے سے پھسلا دیتے ہیں اور حسن کے مقابلہ میں اوّل نمبر پانے کے لیے ہم وقت بے وقت منہ ہلاتے رہتے ہیں۔ صبح و شام زردہ، پلاؤ، قیمہ بھری روٹیاں، ٹوسٹ، پیسٹری، بسکٹ، پیٹیز، چائے، کافی، سگار، سگریٹ اور میدہ کی بنی ہوئی چیزیں کھاتے کھاتے ہمارے معدے، اعصاب، دل و دماغ اور آنتیں غذا سے نفرت کرنے لگ جاتی ہیں۔ پاکستان جیسے غریب ملک میں جہاں پیٹ بھر کر روٹی بھی ہر آدمی کو میسر نہیں آتی اس الا بلا بے ڈھنگے کھانے سے تبخیر، گیس اور ایسڈٹی کے نوے فی صد مریض بنا دیئے ہیں۔ اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ مکھن اور گھی کے مقابلہ میں کوئی بھی قیمتی سے قیمتی غذا ہمارے بدن میں چمک دمک اور دماغ میں تر و تازگی نہیں پہنچا سکتی۔ میں روزانہ درجنوں ایسے مریض دیکھتا ہوں جن کو مکھن، گھی اور چربی والی غذا ہضم ہی نہیں ہوتی اور ہمارے معاشرے کا زیادہ حصہ چائے پہ چائے کی پیالی پی کر دن کاٹتا ہے اور پچاس سالہ علاج و معالجہ کے تجربوں میں لاکھوں ایسے مریض دیکھے جن کو مصالحوں بھرے چٹخارے دار اور لذیذ سے لذیذ کھانے بھی مزہ نہیں دیتے اور یہ بات تو روزانہ کروڑوں مسلمان نوٹ کرتے ہیں کہ روزہ افطار کرتے وقت سوکھی روٹی بھی میٹھی اور قورمہ، کسٹرڈ سے زیادہ خوش ذائقہ معلوم ہوتی ہے۔ بندہ نے ہزاروں ایسے بیمار جو ٹھنڈی ہوا اور سرد پانی کا نام سن کر کانپ اٹھتے ہیں۔ ظہر کی نماز کے بعد سے روزہ افطار ہونے کے وقت تک صحت بخش ٹھنڈے پانی میں کئی کئی بار نہاتے اور اپنے ننگے پاؤں ٹھنڈی زمین پہ پھیلاتے پھرتے دیکھے ہیں۔ ہمارا بخشنہار خدا تعالیٰ اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ یہ خاکی آدمی کھانے پینے، جنسی تعلقات قائم کرنے اور آرام و آسائش کی زندگی بسر کرنے میں اپنے آپ پر ظلم کرنے لگا اور حد سے بڑھ جائے گا۔ اس لیے اس نے ہمیں جذبات اور خواہشات پر قابو پانے کے لیے سال بھر تازہ دم رہنے اور بگڑی صحت درست کرنے کے لیے ایک ماہ کے روزے فرض کر دیئے۔ پورا ایک مہینہ صبح صادق سے غروب آفتاب تک ہم اپنے بگڑے ہوئے نظام ہضم کو اعتدال پر لانے کے لیے ہر قسم کا کھانا پینا بند کر دیتے ہیں۔ اگر اس مشق سے پورا سال راہنمائی حاصل کی جائے تو جس طرح افطاری کے وقت سوکھی روٹی میٹھی اور سادہ پانی خوب ٹھنڈا معلوم ہوتا ہے۔ پورا سال ہمارا ہاضمہ درست رہے۔ اعصاب پر دباؤ نہ پڑے دل کے ارد گرد کولسٹرول (چربی) جمع ہونے نہ پائے اور ہم سدا جوانی کا لطف حاصل کرکے تبخیر، اپھارہ، بھوک کی کمی اور تیزابیت سے محفوظ رہیں۔ دوسرے نمبر پر طلوع فجر سے غروب آفتاب تک جنسی خواہشات کو لگام دیں۔ تو بے راہ روی سے روزمرہ کی کمزوری اور بیماریوں سے امن رہے۔ تیسرے نمبر پہ آرام و بے کار زندگی کے اوقات کو قابو میں لائیں۔ روزہ کھول کر جب کہ ہمارا دل آرام کرنا چاہتا ہے ہم عشاء کی فرض نماز کے علاوہ بیس رکعت نماز تراویح ادا کریں۔ تو ہمارے اعصاب کو ورزش ہو جاتی ہے۔ دماغ کو بخارات چڑھنے بند ہو جاتے ہیں۔ کھانا اور پھل کھائے ہوئے آسانی سے معدہ اور آنتوں سے گذر جاتے ہیں اور بستر پہ جاتے ہیں ہمیں گہری نیند کا لطف آنے لگے۔ میرا نصف صدی کا تجربہ مجھے اس نتیجہ کے اعلان کرنے میں ممد و معاون ہے کہ ہلکی غذا، کچی سبزیاں اور جیب کے مطابق پھل سے روزہ افطار کرکے تراویح پڑھنے سے تازہ دم کرنے والی نیند پر لطف اور اعصاب کی زائل شدہ طاقت بحال ہو جاتی ہے۔

روزہ

دیرینہ تبخیر اور تراویح اعصابی کمزوری کا قدرتی علاج ہے

اے حرا!

علامہ محی الدین چودھری

اے حرا اس عہدِ تقدس کا بیاں کچھ تو سنا — اپنی جاں افروز خلوت گاہ کا وہ ماجرا
جب تری آغوش میں وہ صاحبِ خلقِ عظیم — دوش پر اپنے امانت کا لیے بارِ عظیم
عالمِ پرشور و شر سے ایک پل پاکر فرار — تیری تسکین بخش تنہائی میں پاتا تھا قرار
کس قدر اس کو یہ تیری خامشی مرغوب تھی — تیری ویرانی تفکر آفریں کیا خوب تھی
حل کیے اس نے جہاں سارے وہ لاینحل نکات — بن رہے تھے دیر سے جو دردِ ذہنِ کائنات
تیری تاریکی میں گویا نورِ ایمن تھا نہاں — اس کے فکرِ پاک پر ہوتا تھا جب وہ ضوفشاں
ذہنِ اطہر اس کا ہو جاتا تھا ایسا مستنیر — ہو رہا ہو جوں تجلی ریزِ یزداں کا ضمیر
اے حرا اب وقت ہے پھر اہلِ عالم کو بتا — تو نے وہ پیغام جو نطقِ رسالت سے سنا
فکرِ انسانی پہ پھر سے تیرگی چھائی ہوئی — عقلِ انساں اس اندھیرے میں ہے گھبرائی ہوئی
تیری پنہائی میں جو مستور ہے ایماں کا نور — منتشر کرتا فضائے دہر سے ظلمت ہو دور
اے حرا! اس رازِ اقدس کی فضا تیری امیں — تیرے اندھیارے میں جو ہے آج بھی خلوت گزیں

جس نے بخشے مسلموں کو وہ اسالیبِ حیات
بن گیا انساں جن سے وجہِ فخرِ کائنات

یہودی ایک ظالم اور سفاک قوم

پچیس لاکھ یہودیوں کی خوشنودی کیلئے تیس لاکھ فلسطینیوں کو قربان کر دیا گیا

"آشوتز قیدی کیمپ کی حدود میں قدم رکھتے ہی یوں لگتا ہے جیسے جہنم میں پہنچ گئے۔ حدِ نگاہ تک انسانی ڈھانچوں کے انبار لگے ہیں۔ اس کی فضائیں انسانی گوشت کے جلنے اور چربی کے پگھلنے سے بوجھل ہیں اور یہاں کے گیس چیمبروں اور بھٹیوں میں جل مرنے والی عورتوں اور بچوں کی چیخیں ابھی تک گونج رہی ہیں ـــ"

یہ اس تاریخی مقدمے کی تمہید ہے جسے یہودیوں نے نورمبرگ کی اس فوجی عدالت میں پیش کیا جہاں اعلیٰ نازی افسروں کو جنگی مجرموں کی حیثیت سے پھانسی پر لٹکایا جا رہا تھا۔ یہ پہلی عالمی جنگ ہے جس میں دُنیا بھر کے یہودی من حیث القوم اتحادیوں کے حلیف قرار دیے گئے۔ ان کی خدمات اتحادیوں کے بحری، برّی اور فضائی بیڑوں تک ہی محدود نہ تھیں بلکہ بطور جاسوس انہوں نے ایسے معرکے سر کئے تھے جن کی بدولت نازیوں کو شکست ہوئی۔ انہی جاسوسوں کا دعوےٰ تھا کہ نازیوں نے کم و بیش ساٹھ لاکھ یہودی قتل کئے ہیں اور صرف آشوتز کے قیدی کیمپ میں پندرہ سے اٹھارہ لاکھ یہودی گیس چیمبروں اور بھٹیوں میں زندہ جھونک دیے گئے۔

دوسری عالمی جنگ کے آغاز تک یہودیوں کا اپنا کوئی وطن نہ تھا۔ اس لیے ہر ملک کے دروازے ان پر کھلے تھے اور انہوں نے بین الاقوامی شہریت سے بھرپور فائدہ اُٹھایا امریکہ سمیت پورے یورپ کے بینک، صنعت گاہیں، ثقافتی ادارے، فلم انڈسٹری اور پریس پر ان کی اجارہ داری تھی۔ دغا اور فریب یوں بھی ان کی گھٹی میں پڑے تھے۔ پھر بیسویں صدی کے بے مثال ڈھنڈورچی گورنگ کی کامیابی نے انہیں بہت متاثر کیا تھا اور انہوں نے ساٹھ لاکھ یہودیوں کے قتلِ عام کا ایسا چرچا کیا کہ بعض فاتح ملک سیاسی مطلب برآری کے لیے ان کے ہمدرد بن گئے اور بعض ان کے عالمی پراپیگنڈے کا شکار ہو گئے اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جنگ کے بعد جب اقوامِ متحدہ میں یہ مسئلہ پیش ہوا کہ فلسطین کو یہودیوں کا قومی وطن تسلیم کر لیا جائے تو روس، امریکہ، برطانیہ اور فرانس نے جو رُوئے زمین کے "چار بڑے" بن گئے تھے، اس مطالبے پر صاد کر دیا اور یوں پچیس لاکھ یہودیوں کے تابناک مستقبل پر تیس لاکھ عربوں کو قربان کر دیا گیا اور عصرِ جدید کی یہ گھناؤنی سازش اس مفروضے پر پروان چڑھی کہ دوسری جنگِ عظیم میں نازیوں نے ساٹھ لاکھ یہودی تہ تیغ کر دیے۔ چونکہ اس الزام کے گواہ اور مدعی اور منصف بھی کٹر یہودی تھے۔ اس لیے یہ حقیقت کبھی بے نقاب نہ ہو پائے گی کہ اصل میں کتنے یہودی مارے گئے۔ البتہ جون ۱۹۶۷ء کی چھ روزہ جنگ کے سارے واقعات ہمارے سامنے ہیں۔ جون کے چھ دنوں میں فلسطین کے لاکھوں عرب باشندوں، ضعیفوں، بیماروں، عورتوں اور معصوم بچوں پر کیا گزری؟ ارضِ مقدس سے دُور رہنے والے صحیح طور پر کبھی نہ سمجھ پائیں گے۔ کیونکہ صیہونیوں نے بمباروں کے ذریعے اتنے نیپام بم برسائے کہ ارضِ مقدس کی سرحدوں پر آگ اور دھوئیں کی فلک بوس دیواریں کھڑی ہو گئی تھیں۔ اس آتشِ نمرود سے جان بچانے والے مہاجروں کو اتنا ہوش ہی نہ تھا کہ گرد و پیش پر سرسری نظر ڈال سکتے۔ صیہونیوں کے بقول نازیوں نے تو صرف آشوتز کو جہنم میں بدل دیا تھا لیکن یہودیوں نے پورے فلسطین کے ارد گرد آتشیں حصار تعمیر کر دیا تھا۔

لیکن ہفتوں بعد جب نیپام کے شعلے ٹھنڈے پڑ گئے۔ دھوئیں کے بادل چھٹ گئے اور اسرائیلی ٹینکوں سے اڑنے والا گرد و غبار فضا میں تحلیل ہو گیا تو یورپی اور امریکی نامہ نگار بھی یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے کہ نیپام کی بارش نے ہزاروں مربع میل کے رقبے میں زندگی کے ہر نشان کو بھسم کر دیا ہے۔ چشمے اور تالاب نجاست بن کر اُڑ گئے ہیں۔ نخلستانوں پر بجھی ہوئی بھٹیوں کا گمان ہوتا ہے اور جہاں کل تک انگوروں، انجیروں اور مالٹوں کے باغات اور کھیت لہلہا رہے تھے وہاں جلے ہوئے عرب ٹینکوں، بربار گاڑیوں اور مڑی تڑی ہوئی توپوں کے پُرزے بکھرے پڑے ہیں اور ان کے درمیان جلی جھلسی ہوئی لاشیں دیکھ کر کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ غازہ سے لے کر دریائے اردن کے مغربی کنارے تک ان بے ترتیب قافلوں کے سوا جو محافظوں اور قافلہ سالاروں کے بغیر افراتفری میں رواں دواں ہیں اور کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ ان کے کھیت، آبائی گھر اور روپیہ پیسہ ہی نہیں بلکہ زادِ راہ تک چھین لیا گیا۔ ان کے جوان بیٹے اور بھائی اور خاوند شہید ہو گئے اور صرف وہ معصوم بچے باقی رہ گئے جن کی انگلیاں تھامے وہ ایسے ٹھکانوں کی تلاش میں ماری ماری پھر رہی ہیں جہاں انہیں پینے کو پانی مل جائے اور وہ ان گدھوں اور بھیڑیوں کے خوف سے محفوظ ہو جائیں، جو انسانی لاشوں کی بو پا کر جبل الشیخ سے کوہ سینا تک بے روک ٹوک پھر رہے ہیں۔

برطانیہ کے وزیراعظم آنجہانی چرچل کے پوتے نے اسرائیلی سرحد سے چھ روزہ جنگ کے چشم دید حالات روزنامہ ٹیلیگراف کے لیے قلمبند کئے۔ اس کا کہنا ہے مجھے بیت المقدس کے قریب ایک تاریخی بستی دیکھنے کا شوق تھا جو عہد نامہ عتیق میں جبئین کے نام سے مشہور تھی۔ دن بھر کی تگ و دو کے بعد جب میں اس کا سُراغ لگانے میں کامیاب نہ ہوا تو دن ڈھلے مجھے چند فلسطینی خواتین دکھائی دیں وہ سیاہ ماتمی پوشاکوں میں ملبوس تھیں اور ان کی آنکھوں سے حزن و ملال کے سوتے پھوٹ رہے تھے۔ میں نے ایک سے پوچھا "آپ کس بستی کی رہنے والی ہیں؟" ایک بڑھیا نے توقف کے بعد طویل ٹھنڈی آہ بھری اور بولی۔ "ہم کبھی جبئین میں بستے تھے" میں نے بیتابی سے پوچھا! "وہ یہاں سے کتنی دُور ہے؟" بڑھیا نے پانچ چھ فرلانگ دُور ان کھنڈروں کی طرف اشارہ کیا۔ جہاں یہودی بل ڈوزر چلا کر زمین ہموار کر رہے تھے۔ میں اس طرف لپکا۔ پوری بستی مسمار ہو چکی تھی۔ چند نوجوان یہودی عورتیں اور مرد ملبے کے ڈھیروں میں بچی کھچی چیزیں نکال رہے تھے، جن میں کھڑکیاں، دروازے، شہتیر اور اس قسم کی دوسری عمارتی اشیا شامل تھیں۔ عہد نامہ عتیق کی بستی جبئین کا یہ حشر دیکھ کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ جبئین کے مکانوں اور کھیتوں کے انجام پر مجھے توریت کی ایک آیت یاد آ گئی جس کا مفہوم یہ تھا کہ اے بنی اسرائیل خبردار، ہمسائے کی دیوار کو کبھی نہ گرانا اور اس نے اپنے کھیت کے گرداگرد جو باڑ لگا رکھی ہے اجازت کے بغیر اسے کبھی نہ پھلانگنا۔"

اریحا تو جبئین سے بھی قدیم شہر تھا۔ اس میں بسنے والی ایک عرب خاتون نے برطانوی صحافی کو بتایا۔ ۸ جون ۱۹۶۷ء کے روز ایک اسرائیلی دستہ شہر میں داخل ہوا۔ تمام سپاہیوں نے مشین گنیں سونت رکھی تھیں۔ کمانڈر نے اریحا کے شیخ کو حکم دیا کہ تمام مردوں کو شہر کے باہر عید گاہ میدان میں جمع کرے۔ ہمارے بیٹے، بھائی اور خاوند گھروں سے نکل رہے تھے اور اسرائیلی سپاہی چھتوں پر مورچے بنا رہے تھے۔ سورج غروب ہو رہا تھا جب تمام مرد میدان میں جمع ہو چکے تو اسرائیلی دستے نے انہیں مشین گنوں سے بھون ڈالا۔ پھر وہ لوگ تاتاری درندوں کی طرح ہمارے گھروں میں گھس گئے۔ قیمتی ساز و سامان، روپیہ پیسہ، زیور حتیٰ کہ بعض متمول خواتین کی پوشاکیں تک لوٹ لی گئیں اور اس سے فارغ ہونے کے بعد اسرائیلی کمانڈر نے حکم دیا۔ "ان گھروں سے فوراً نکل جاؤ۔" ہم بھوک سے بلکتے ہوئے معصوم بچوں کو اٹھائے عید گاہ میدان میں پہنچے ہی تھے کہ اسرائیلیوں نے ڈائنامیٹ سے ہمارے گھر اڑا دیے۔

یہ تباہی صرف جبئین اور اریحا کی قسمت میں نہیں لکھی تھی، بلکہ جیراش اور نابلس اور بذاتِ خود بیت المقدس میں بھی آگ اور خون کی ہولی کھیلی جا رہی تھی۔ وہ ملک جو توریت اور انجیل کے عہد سے ارضِ مقدس کہلاتا چلا آ رہا تھا۔ ایسی قتل گاہ میں بدل دیا جس کے سامنے آشوتز کے افسانے کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ اس آتشیں اندھے کنوئیں سے بسلامت نکلنے کا صرف ایک ہی راستہ تھا جو دریائے اردن کو جاتا تھا اور بیس لاکھ فلسطینی مہاجروں کا سیلاب اسی طرف کو بڑھتا چلا آ رہا تھا۔ اسرائیلی بھی بے خبر نہ تھے۔ ارضِ مقدس کے گرداگرد شعلوں کی لپکتی ہوئی دیواریں کھڑی کرتے وقت عربوں کی نجات کا یہ راستہ ان کے اعصاب پر سوار تھا۔ یہی وجہ ہے کہ دریائے اردن پر حسین پل کو تباہ کر دیا گیا تھا۔ اگرچہ دریائے اردن پہاڑی نالے سے زیادہ نہیں، لیکن اپریل کے آغاز ہی سے اس میں طغیانی آ جاتی ہے اور اس کا پانی کناروں سے چھلکنے لگتا ہے۔ جوش پر آئے ہوئے اردن کو پار کرنے کا آخری سہارا حسین پل ٹوٹ چکا تھا اور اس کی جگہ دریا کے آر پار رسّے پھیلا دیے گئے تھے جن کے ذریعے ایک وقت میں صرف ایک ہی آدمی پار جا سکتا تھا۔

عربوں کی تباہی پر بھی دنیا کی بےحسی اور سرد مہری قدیم تاریخی منظر ہے۔ مغربی سائنسدان، سیاستدان اور صحافی بھی انسان دوستی، آزاد منشی اور مذہبی رواداری کے نعرے صرف اس لیے بلند کرتے ہیں تاکہ ان کے اس مخصوص اندازِ فکر پر دبیز پردے پڑے رہیں۔

مصر میں جشنِ عید کس طرح منایا جاتا ہے

عبدالوہاب پنجاب یونیورسٹی

یوں تو پورے عالم اسلام میں عید الفطر کا تہوار کم و بیش یکساں انداز میں منایا جاتا ہے تاہم اظہار مسرت کے طور طریقے ہر ملک میں الگ الگ ہیں۔

مصر میں عید الفطر کا تہوار جس طرح منایا جاتا ہے اس سے صدیوں پہلے کی اسلامی روایات کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ حقیقت میں یہ روایات مصری قوم کو اپنی اسلامی میراث میں ملی ہیں اور آج تک ان کی بڑی سختی سے پابندی کی جاتی ہے رمضان المبارک کے آخری دنوں میں لوگ ابھی جمعۃ الوداع اور لیلۃ القدر کی تقریبات سے فارغ نہیں ہو چکتے کہ عید کی گہما گہمی شروع ہو جاتی ہے، عید کی تیاریاں یوں تو بیس رمضان کے بعد سے ہی شروع ہو جاتی ہیں لیکن آخری دنوں میں پر ہجوم بازاروں پر میلوں کا گمان گزرتا ہے۔

بچوں کو عید کے لیے جو نئے کپڑے ملتے ہیں وہ انہیں نہایت احتیاط کے ساتھ اپنے صندوقوں میں بند کر دیتے ہیں۔

آج ایک ہزار میناروں کے شہر پر اداسی طاری ہے

اور عید کی صبح سے پہلے انہیں ہوا تک نہیں لگنے دیتے نیا لباس صرف بچے ہی نہیں بلکہ بڑے اور جوان بھی زیب تن کرتے ہیں اور شاید ہی کوئی ایسا خاندان مل سکے جس نے عید پہ نئے کپڑے نہ سلوائے ہوں۔

گھروں سے بھی زیادہ عید کا اہتمام مساجد میں کیا جاتا ہے۔ اس موقع پر مساجد کی سج دھج دیکھنے کے لائق ہوتی ہے دارالحکومت قاہرہ اس رات روشنیوں کا شہر بن جاتا ہے، یہ شہر ایک ہزار میناروں کا شہر کہلاتا ہے۔ ویسے یہاں کی مساجد کے میناروں کی صحیح تعداد ایک ہزار بارہ سو ہے، یہ مینار رنگ برنگ کی روشنیوں سے جگمگا اٹھتے ہیں۔ اور جہاں تک نظر جاتی ہے ہر طرف روشنی کے مینار ہی دکھائی دیتے ہیں۔

قاہرہ اور دوسرے بڑے شہروں میں عید کا اعلان توپوں کی گھن گرج سے کیا جاتا ہے ایسی لوگ عید کی "توپیں" کہتے ہیں۔

یوں تو ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے رمضان کے مہینے میں خاص پروگرام نشر کیے جاتے ہیں اور مصر کے ریڈیو سٹیشن رمضان میں دن رات اپنی نشریات جاری رکھتے ہیں۔ لیکن عید کے پروگرام بے حد شوق اور توجہ و اہتمام سے مرتب کیے جاتے ہیں رمضان بھر میں ریڈیو پر کم از کم ۳ گھنٹے تک خالص مذہبی پروگرام پیش کیا جاتا ہے۔

ٹیلی ویژن پر "نور علی نور" کے نام سے روزانہ ایک خاص پروگرام نشر کیا جاتا ہے جس میں مذہبی شخصیتیں اپنے خیالات کا اظہار کرتی ہیں۔ یہ پروگرام مذہبی سوالات کے جواب تفسیر و حدیث اور سیرت نبوی اور تلاوت کلام پر مشتمل ہوتا ہے۔ عید کے دن ریڈیو اپنے سامعین کو کسی اہم مسجد میں لے جاتا ہے جہاں خطبہ عید نشر کیا جاتا ہے اور شیخ الازہر کے ارشادات نشر ہوتے ہیں۔

شیخ الازہر کی تقریر عالم اسلام کے مسلمانوں کو عید کی مبارک باد پیش کرنے پر ختم ہوتی ہے۔ عید کی نماز اور شیخ الازہر کی تقریر کے بعد موسیقی کا پروگرام شروع ہوتا ہے اس میں ایسے گانے، لطیفے اور کھیل پیش کیے جاتے ہیں جو عید الفطر سے مناسبت رکھتے ہوں۔

بقیہ :- یہودی ایک ظالم اور سفاک قوم

جو ابھی تک ہلال و صلیب کی آویزش میں الجھا ہوا ہے۔ اور اس پر سلطان صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں شیر دل رچرڈ کی شکست کے داغ بدستور دکھائی دیتے ہیں۔ عربوں کے خلاف نفرت اور تعصب نے ان کے دل و دماغ کو اس طرح جکڑ رکھا ہے کہ یہودیوں کے ہاتھوں حضرت عیسٰے کا دردناک انجام بھی انہیں یاد نہیں رہا۔ چھ روزہ جنگ کی کامیابی کے بعد یہودیوں کے ساتھ مسیحیوں کی محبت اور رعونت نے اعتدال کی تمام حدیں پار کر لی ہیں اور ان کی مادی قوت کو دیکھ کر پاپائے روم بھی یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ میں نے یہودیوں کو مسیح کی موت کے الزام سے بری کر دیا۔ ایک صیہونی فلسفی کے بقول ہم پورے دو ہزار سال کی گمنامی کے بعد تاریخ کی دہلیز پر پھر سے دستک دے رہے ہیں اب بے شک قسمت ان کا ساتھ دے رہی ہے۔ وہ گزشتہ تین سال سے عربوں کے ہزاروں مربع میل علاقے پر بزور قبضہ جمائے بیٹھے ہیں اور موقع پاتے ہی مصر، اردن، شام اور لبنان کے سرحدی قصبوں پر شب خون مارتے ہیں اور نہتے دیہاتی عربوں، عورتوں اور بچوں کو موت کے گھاٹ اتار کر لوٹ جاتے ہیں۔

چھ روزہ جنگ کے بعد جن لوگوں نے اسرائیل سمیت مقبوضہ عرب علاقوں کی سیاحت کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اس خطے میں پہلے تو صرف عمورہ اور سدوم کے کھنڈر تھے جن میں حضرت لوط کی قوم کے بسائے ہوئے شہر دبے پڑے ہیں لیکن چھ روزہ جنگ کے دوران نیپام بموں کی ایسی بارش ہوئی کہ اب صحرائے سینا سے جبل الشیخ تک پورے علاقے پر سدوم اور عمورا کے کھنڈروں کا گمان ہوتا ہے۔ ان میں سے بعض شہر پہاڑوں کو کھود کر بسائے گئے۔ ان میں بسنے والوں کو یقین تھا کہ قہر الٰہی ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ آج اسرائیل کی مادی فوجی قوت کے بارے میں بھی مصریوں کا یہی خیال ہے لیکن عمورہ، سدوم اور پترا کے کھنڈر زبان حال سے پکار رہے ہیں کہ "اے آنکھوں والو! عبرت حاصل کرو"۔

رات کو ٹیلی ویژن اپنے ناظرین کے سامنے کسی تھیٹر سے کوئی ڈرامہ پیش کرتا ہے۔ عید کی رات کو قاہرہ کے تھیٹر بہت مصروف ہوتے ہیں اور اس موقع پر تھیٹر کوئی ڈرامہ یا رقص و موسیقی کا پروگرام پیش کرتا ہے مصر میں ایسے بے شمار گیت ہیں جو عید کے لیے مخصوص ہیں اور عید کے گیت کہلاتے ہیں۔ مثلاً مغنیہ مشرق ام کلثوم کے گائے ہوئے دو گیت بہت ہی مقبول ہیں۔

ع : یالیلۃ السعید آتیتنا - جددت الآمال فینا

ترجمہ : یعنی اے عید کی بامراد اور پیاری رات تم نے ہم میں امیدیں اور امنگیں تازہ کر دیں۔ اسی طرح یہ گیت۔

هل هلال السعید - علی الاسلام سعید

عید ایک مذہبی تہوار ہے اس لیے اس دن مساجد کی آرائش میں حد سے زیادہ اہتمام کیا جاتا ہے مسجد کے فرش پر قالین بچھائے جاتے ہیں، فضا عطر و بخور سے مہک اٹھتی ہے لوگ نماز کے وقت سے بہت پہلے مساجد میں پہنچ جاتے ہیں۔ اور ایک مشہور نعت سحر انگیز لے میں گاتے ہیں۔

نماز کے بعد عید کی تقریبات گھروں میں شروع ہوتی ہیں بہت سے لوگ نماز کے بعد شہر سے باہر کسی خوبصورت مقام پر چلے جاتے ہیں۔ اور وہاں عید کے دن پکنک مناتے ہیں۔ گھروں میں عید ملنے کا ایک خاص طریقہ رائج ہے۔ مثلاً سب سے پہلے خاندان کے عمر میں سب سے چھوٹے فرد سے عید ملی جاتی ہے اس کے بعد اس سے بڑے سے اور سب سے آخر میں بڑی عمر کے بزرگوں سے۔ یہ رسم حقیقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صلہ رحمی کے ارشاد کی متابعت میں جاری چلی آ رہی ہے۔

کھانے پینے اور میل ملاقات کے بعد عموماً لوگ شہر سے باہر چلے جاتے ہیں اور رات تک وہاں سیر و تفریح میں مصروف رہتے۔ اہرام، ابوالہول، حلوان کے باغات اور چڑیا گھر کے باغات قاہرہ والوں کی مقبول سیرگاہیں ہیں۔

عید کے موقع پر کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں، جو عید کا تہوار منانے کے لیے کسی دوسرے شہر

بقیہ : عید ایک مبارک اور سعید دن

کو حکم دیتا ہے کہ دنیا کے تمام ملکوں میں پھیل جائیں وہ راستوں پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور بلند آواز سے یوں صدا کرتے ہیں کہ ان کی آواز سوائے جن اور انسان کے سب مخلوق سنتی ہے پکارتے ہیں کہ امت احمد صلی اللہ علیہ وسلم آج عید کا دن ہے اپنے رب کے دربار میں حاضر ہو جاؤ۔ (میدان میں نماز کے لیے) تم آج بڑے بڑے انعامات سے فائز ہو جاؤ گے۔ تمہارے تمام گناہوں کی معافی کا اعلان ہو رہا ہے۔

تحریکِ آزادئ ہند میں افغانستان کا کردار

حضرت شیخ الہندؒ نے افغانستان کو تحریکِ آزادی کا مرکز کیوں بنایا

مولانا عبید اللہ سندھیؒ اور دیگر انقلابی رہنماؤں کے کارنامے!

افغانستان کی تازہ صورتِ حال —— تاریخی پس منظر کی روشنی میں

افغانستان میں جب سے ظاہر شاہ کی حکومت کا تختہ الٹا گیا ہے اور سردار داؤد خان برسرِ اقتدار آئے ہیں وہاں کی صورتِ حال سخت تشویشناک ہے اور فوج کے علاوہ عوامی تصادم جاری ہے۔ اس اثناء میں افغانستان کے جلیل القدر علماءِ کرام اور مذہبی پیشواؤں کو گرفتار کر کے جیل خانوں میں ٹھونس دیا گیا ہے۔ اس طرح موجودہ حکومت علماء کی تائید و حمایت سے یکسر محروم ہو گئی ہے اور علماءِ کرام کی مخالفت کا سلسلہ بدستور جاری ہے۔

پہلی جنگ عظیم زوروں پر تھی جرمنی اور ترکی کی جانباز فوجوں نے یورپ، ایشیا اور افریقہ میں اتحادیوں کا ناطقہ بند کر رکھا تھا۔ تقریباً تمام محاذوں پر انگریزوں اور ان کے دیگر سامراجی ساتھیوں کو اپنے حریف ممالک کے مقابلہ میں پسپائی اور شدید جانی و مالی نقصانات برداشت کرنے پڑ رہے تھے۔ انگریزوں اور ان کے ساتھیوں کی استعماری گرفت نرم پڑ رہی تھی بہترین موقع تھا کہ نوآبادیاتی چنگل میں پھنسے ہوئے ممالک جنہیں آزادی کی تڑپ اور طلب ہو استعماری جال کے پرزے پرزے کر دیں اور اپنا غصب شدہ حق اور چھنی ہوئی آزادی حاصل کر لیں۔

ہندوستانی محب وطن جو ۱۸۵۷ء کی ہولناک اور ہمت شکن ناکامی کے بعد بھی پست ہمت نہیں ہوئے تھے اور مجاہدانہ جوش و خروش کے ساتھ آزادی کی جدوجہد اندرون و بیرونِ ملک میں جاری رکھے ہوئے تھے۔ اس مبارک موقع پر کس طرح چوک سکتے تھے یہی تو وقت تھا کہ پٹنہ، دیوبند، دہلی، کلکتہ، لاہور اور دیگر مقامات کو مرکز بنا کر علماء اور ہندو، مسلمان، سکھ، محبانِ وطن نے جو نقشے بنائے تھے ان میں رنگ بھرا جائے اور جو منصوبے تیار کیے تھے ان کو بروئے کار لایا جائے اور برطانوی حکومت کا تختہ الٹ دیا جائے

یہ کوئی نئی بات نہ تھی بلکہ پرانی تحریکوں کی ہی ایک کڑی تھی۔ جن میں بلا لحاظ مذہب و مسلک سب نے حصہ لیا تھا۔ ہر صوبہ اور ہر ریاست کے لوگ ہر زمانہ میں اس جدوجہد میں شامل رہے تھے ۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستان میں مسلح انقلاب لانے کی جو کوششیں کی گئیں ان پر پورا ہندوستان فخر کر سکتا ہے بمبئی ہو یا بنگال، دہلی ہو یا پنجاب، یوپی ہو یا بہار، وسط ہند ہو یا مدراس، ہندوستان کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں آزادی کی تحریک نہ چلی ہو۔ ایسا تو ہوا کہ کسی وقت کسی صوبہ میں تحریک کمزور پڑ گئی۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہوا کہ کسی دوسرے صوبہ میں تحریک نے زور پکڑ لیا۔ اسی طرح اگر ایک وقت تحریکِ آزادی میں ایک فرقہ یا ایک مذہبی مسلک کے لوگ پیش پیش رہے تو دوسرے وقت دوسرے مذاہب یا مسلک کے لوگ پیش پیش ہو گئے۔ ایسا بھی ہوا ہے کہ کسی وقت اس جدوجہد نے بظاہر فرقہ وارانہ رنگ اختیار کر لیا۔ لیکن اس وقت بھی اس کی تہ میں ہندوستان کو آزاد کرانے اور انگریز سے نفرت کرنے والوں کا قلع قمع کرنے کا جذبہ موجزن رہا۔

افغانستان میں ہندوستان کی پہلی آزاد جمہوریت کے قیام کے پس منظر کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ۱۸۵۷ء سے ۱۹۱۴ء تک کی ہندوستان کی سیاسی تحریکوں پر ایک طائرانہ نظر ڈالی جائے۔

یہ تو تسلیم شدہ امر ہے کہ ۱۸۵۷ء کے بعد مسلم علماء کی سربراہی میں پٹنہ برطانوی استعمار کے خلاف تحریکات کا پہلا مرکز بنا۔ پٹنہ اور آزاد سرحدی علاقہ میں برابر رابطہ قائم رہا۔ اور ان قبائلی و ہندوستانی مجاہدین کو جو آزاد علاقہ میں ہندوستان پر برطانوی تسلط کے خلاف سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے تھے برابر مالی و افرادی امداد پٹنہ سے پہنچائی جاتی رہی۔ یہی وجہ تھی کہ جب ۱۸۶۴ء میں ان مجاہدین کے خلاف لشکر کشی کی گئی تو پٹنہ کے علماء اور کارکنوں کے خلاف جنگی مقدمات چلائے گئے اور انہیں سزائے موت یا حبسِ دوام بعبور دریائے شور کی سزائیں دی گئیں۔

انہی دنوں شاید ۱۸۶۶ء میں دارالعلوم دیوبند کا قیام عمل میں آیا۔ جس کا مقصد جذبۂ حریت کو زندہ رکھنا اور خفیہ طور پر جدوجہد آزادی کی تیاریاں کرنا تھا

آزادی کے لیے ان آئینی و قانونی سرگرمیوں کے علاوہ جن میں کانگرس کا قیام اور اس میں شمولیت کے لیے ایک ہزار علماء کا فتویٰ خصوصاً قابل ذکر ہے۔ فوجیوں میں بغاوت اور ملک میں دہشت پھیلا کر حکومت کو معطل کرنے کی کوششیں بھی برابر جاری رہیں۔ اس قسم کی سرگرمیوں میں جنہوں نے بیسویں صدی کے آغاز میں زیادہ زور پکڑا پنجاب اور بنگال کا زیادہ حصہ رہا۔ جنوب میں پانڈی چیری اور دوسری فرانسیسی بستیاں انقلاب پسند ہندوستانیوں کی تحریکوں کا مرکز اور ان کی پناہ گاہیں تھیں۔

اس زمانہ کے سیاسی کارکن سمجھتے تھے کہ فوج میں بغاوت پھیلا کر برطانوی اقتدار کو ختم کیا جا سکتا ہے چنانچہ قدرتی طور پر ان علاقوں میں اس قسم کی تحریکیں زیادہ چلیں، جہاں سے فوج اور سرکاری ملازمین کو بھرتی کیا جاتا تھا۔ امرتسر، فیروزپور، راولپنڈی، لائل پور، سیالکوٹ وغیرہ ان تحریکوں کے شمالی ہند میں خاص مرکز رہے۔

سورگیہ لالہ لاجپت، سردار اجیت سنگھ اور ہردیال ایم۔ اے وغیرہ اس زمانہ کی ان انقلابی تحریکوں کے خاص لیڈر رہے۔ ان تحریکوں میں بعض خفیہ تھیں اور بعض اعلانیہ۔ بہت سے لیڈر اور کارکن ان کے سلسلہ میں جلاوطن ہوئے یا ان کو بچ کر ہندوستان سے باہر جانا پڑا۔ اور غیر ممالک میں پناہ لینی پڑی۔ اسی زمانہ میں لالہ ہردیال ایم۔ اے نے امریکہ میں غدر پارٹی کی تشکیل کی جس کا مقصد ملک کو آزاد کرانا تھا۔ اس سے قبل وہ لاہور میں ایسی ہی تحریک چلا چکے تھے۔

دہلی کا بھی ان تحریکوں میں خاص حصہ رہا ۱۹۱۲ء میں گورنر جنرل لارڈ ہارڈنگ پر چاندنی چوک میں بم پھینکا گیا جس کی پاداش میں امیر چند دہلوی، اودھ بہاری لال وغیرہ کو موت کی سزا دی گئی۔

۱۹۱۴ء کے اواخر میں دو جاپانی جہازوں گوماگاٹامارو اور ٹوماماروکے ذریعہ کئی سو ہندوستانی انقلاب پسند مشرق بعید سے کلکتہ پہنچے اور ان کے پولس اور فوج سے سخت معرکے ہوئے۔ یہ انقلاب پسند ان ہندوستانیوں میں سے تھے جنہیں انگریزوں نے مختلف ممالک میں مزدور، کاریگر یا تاجر کی حیثیت سے آباد کیا تھا۔ اور اب جذبۂ حریت ان کو ہندوستان کھینچ لایا تھا۔

فوجوں میں بغاوت کے لیے قوم پرور پنجابیوں، بنگالیوں کی مشہور سازش بھی ۱۹۱۴ء میں عمل میں آئی۔ یہ اور اس قسم کی دوسری سازشیں بڑی ہی وسیع اور منظم تھیں۔ اگر یہ کامیاب ہو جاتیں تو ہندوستان میں برطانوی اقتدار کا چراغ گل ہوئے بغیر نہ رہتا۔ یہ سازشیں اگرچہ کامیاب نہیں ہو سکیں لیکن اتنا ضرور ہوا کہ پورے ملک میں تہلکہ مچ گیا۔

ہندوستان میں یہ حالات تھے کہ یورپ میں پہلی جنگ عظیم شروع ہو گئی۔ یہ آزادی کی جدوجہد کے لیے ایک سنہری موقعہ تھا۔ چنانچہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ نے جو دارالعلوم دیوبند میں درس و تدریس کے ساتھ ساتھ اپنے ہم خیال ساتھیوں کی مدد سے نوجوانوں کو ایک اعلانیہ انقلابی جدوجہد کے لیے تیار کر رہے تھے اور مجاہدین سرحد سے تعلقات برقرار رکھے ہوئے تھے ایک فیصلہ کن اور تاریخی قدم

اٹھانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ سابقہ تحریکوں کی ناکامی سے یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ جب تک کسی منظم حکومت کی پشت پناہی حاصل نہ ہو یا ہندوستان سے باہر کسی ایسی آزاد حکومت کی تشکیل نہ ہو جو ہندوستان میں بھی اور ہندوستان سے باہر بھی جنگ اور جدوجہد جاری رکھ سکے۔ اس وقت تک برطانوی تسلط سے نجات حاصل کرنا ممکن نہیں۔

حضرت شیخ الہندؒ نے اسی امر کے پیش نظر ایک وسیع منصوبہ تیار کیا۔ جس میں دیسی ریاستوں کی امداد، سرحد پر حملہ اور اندرون ملک میں عام جدوجہد شروع کر کے برطانوی حکومت کو معطل اور ہندوستان کو آزاد کرنا طے پایا تھا۔ یہی منصوبہ آگے چل کر ریشمی رومال کی سازش کی شکل میں ظاہر ہوا۔ جس کی تفصیلات سے قارئین ناواقف نہیں ہیں اور جو تحریک آزادی کا اہم باب ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ نے اسی سلسلہ میں اپنے مخلص فداکار شاگرد اور ساتھی مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم کو افغانستان سے امداد حاصل کرنے کے لیے کابل کو روانہ کر دیا۔ اور خود حج بیت اللہ اور سلطان ترکی سے امداد حاصل کرنے کے ارادہ سے عازم مکہ معظمہ ہوئے یہ تو تھے اندرون ہند کے حالات لیکن جو ہندوستانی انقلاب پسند یا سیاسی کارکن اس وقت یورپ میں تھے وہ بھی خاموش نہ بیٹھے۔ انہوں نے برلن میں جمع ہو کر انڈین نیشنل پارٹی کے نام سے ایک پارٹی قائم کر لی اس میں مشہور انقلاب پسند لالہ ہردیال ایم اے، راجہ مہندر پرتاپ، مولوی برکت اللہ مرحوم اور دوسرے لوگ شامل تھے۔

اگر حضرت شیخ الہندؒ نے ہندوستان کی آزادی کے لیے افغانستان اور ترکی سے امداد لینے کا فیصلہ کیا تھا تو ان لوگوں نے جرمنی کی ہمدردی اور اعانت حاصل کرنے کی کوشش کی اور اس میں کافی کامیاب رہے۔ جرمن وزارت خارجہ نے اس تحریک کو تسلیم کیا اور اس کی باقاعدہ حمایت شروع کر دی۔ ترکی جب جرمنی کے ساتھ جنگ عظیم میں شامل ہوا تو نیشنل پارٹی کی سرگرمیاں استنبول اور دیگر مقامات پر بھی شروع ہو گئیں لیکن ترکی اور جرمنی دونوں ہندوستان کی سرحد سے بہت دور تھے۔ ہندوستان کی سرحد پر سرگرمیاں شروع کرنے کے لیے افغانستان کو ساتھ ملانا ضروری تھا جو جغرافیائی اور تاریخی اعتبار سے اس کام کے لیے موزوں تھا۔

چنانچہ اس پارٹی کا جو ہندوستان کی آزاد حکومت کی شکل اختیار کر چکی تھی ایک وفد جرمن اور ترک افسروں کے ہمراہ افغانستان پہنچا۔ اور اس نے افغان افسروں اور سرداروں سے بات چیت شروع کی مولانا عبید اللہ سندھیؒ بھی اسی زمانہ میں حضرت شیخ الہندؒ کے حکم سے کابل پہنچ چکے تھے۔ اپنے مقصد کے لیے افغان حلقوں میں زمین ہموار کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

اس طرح کابل میں وہ مبارک موقع آیا کہ ہندوستان کی آزادی کی دو مختلف تحریکوں کے لیڈروں کو یکجا ہونے کا وقت اور باہمی مذاکرات کے بعد ہندوستان کی آزاد جمہوریت کے قیام کا موقع ملا۔ جس کی داغ بیل برلن اور استنبول میں پڑنی شروع ہو گئی تھی۔ یہ ہندوستان کی آزادی کی تاریخ کا ایک اہم ترین واقعہ ہے۔ اور اگرچہ یہ حکومت ہندوستان سے برطانوی استعمار کے خاتمہ میں کامیاب نہیں ہو سکی۔ تاہم اس کی وجہ سے ہماری آزادی کی تحریک کو زبردست تقویت اور آنے والی نسلوں کے لیے ایک روشن مثال قائم ہوئی نیز برطانوی حکومت کو اس کی وجہ سے زیادہ سے زیادہ مشکلات پیش آئیں۔

راجہ مہندر پرتاپ اس آزاد جمہوریت کے صدر، مولوی برکت اللہ وزیر اعظم اور مولوی عبید اللہ سندھی وزیر بنائے گئے۔ اس کا مقصد ہندوستان کو غیر ملکی امداد حاصل کر کے برطانوی غلبہ سے آزاد کرانا تھا ترکی اور جرمنی کے علاوہ جو اس وقت برطانیہ سے لڑ رہے تھے اور برطانیہ کے خلاف آزادی کے لیے لڑنے والے ہندوستانیوں کے بہترین دوست ہو سکتے تھے۔ اس تحریک میں روس سے بھی امداد لینے کا فیصلہ کیا گیا۔ امیر حبیب اللہ والئ افغانستان جو ان دنوں انگریزوں کے اثر میں تھے اس آزاد حکومت کو امکانی آسانیاں بہم پہنچائیں۔ بعد میں جب امیر امان اللہ خاں تخت نشین ہوئے تو انہوں نے آزادئ ہند کی تحریک کی مستقل حمایت کی جو بعد میں ان کے زوال کا ایک سبب بنی۔

ہندوستان کی آزاد جمہوریت کے صدر راجہ مہندر پرتاپ کا خط لے کر جب ایک وفد تاشقند پہنچا تو روسی گورنر نے اراکین وفد کا پرخلوص استقبال کیا اور اراکین وفد سے بہت اچھی طرح پیش آیا۔ اور ان کے مشن سے بڑی دلچسپی ظاہر کی۔ یہ بات بھی کم نہ تھی۔ کیونکہ زار روس ان دنوں انگریزوں کے ساتھ ہو کر ترکی اور جرمنی کے خلاف لڑ رہا تھا۔ بہت ممکن تھا کہ یہ کوششیں نتیجہ خیز ثابت ہوتیں۔ لیکن برطانوی حکومت کو کسی طرح ان خفیہ سرگرمیوں کا علم ہو گیا اور لارڈ کچنر کو فوراً روس روانہ کیا گیا۔ جس نے اپنی ریشہ دوانیاں شروع کر دیں۔ اس طرح روس کو ساتھ ملانے کی کوششیں کامیاب نہ ہو سکیں اس آزاد جمہوریت کی طرف سے بعد میں دو اور وفد استنبول اور ٹوکیو کو روانہ کیے گئے۔ لیکن یہ دونوں انگریزوں کے قبضہ میں آ گئے۔ ساری تفصیلات کا جب انگریزوں کو علم ہو گیا تو انہوں نے افغانستان پر دباؤ ڈال کر مولانا عبید اللہ سندھیؒ کو گرفتار اور نظر بند کرا دیا۔ جو اس حکومت کے کابل، نیپال اور شمال مشرقی بنگال کے تین اہم مرکزوں میں سے مرکز کابل کے انچارج اور ذمہ دار تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ اور ان کے ساتھی ۱۹۱۶ء میں گرفتار ہو کر مع اپنے ساتھیوں کے مالٹا میں نظر بند کر دیے گئے۔

پہلی جنگ عظیم میں اتحادیوں کی کامیابی کے ساتھ ساتھ افغانستان میں قائم ہونے والی ہندوستان کی پہلی آزاد جمہوریت کی سرگرمیاں بھی ختم ہو گئیں اور اس کے لیڈر مختلف ممالک میں منتشر ہو گئے۔ یہ حکومت اگرچہ ہندوستان کو آزادی نہ دلا سکی لیکن اس کا نتیجہ یہ ضرور نکلا کہ ہندوستان کی آزادی کا راستہ صاف ہوا اور آزادی کی جدوجہد کرنے والوں کے لیے ایک نئی مثال قائم ہو گئی جو دوسری جنگ عظیم کے دوران آزاد ہند تحریک کے لیے نمونہ بنی۔ اس کا ایک اثر یہ بھی ہوا کہ ہندوستان کے پڑوسی افغانستان سے برطانوی غلبہ ختم ہو گیا۔ جو آگے چل کر ہندوستان کی آزادی کے لیے نیک فال اور ایشیا میں برطانوی اقتدار کے لیے ایک کاری ضرب ثابت ہوا۔

بقیہ: خطبہ جمعہ

عادل امین نے اسرائیلی وزیر اعظم کو ایک تار کے ذریعے بالکل ٹھیک مشورہ دیا ہے کہ یہودی فوجوں کو مکمل تباہی سے بچانے کے لیے عرب افواج کے سامنے ہتھیار ڈال دینے یا پسپا ہونے کا حکم دے دو۔ لیکن اسرائیل کو موت کے پنجے سے چھڑانے کے لیے امریکہ نے براہ راست کود پڑنے کی دھمکی دے دی ہے۔ ان حالات میں دنیا بھر کے اسلامی ممالک پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنے ہر ممکن جنگی وسائل بروئے کار لائیں۔ اپنے تازہ دم فوجی دستے عرب بھائی کمان کی تحویل میں دے دیں اور متحد ہو کر واضح کر دیں کہ صیہونی اور امریکی جارحیت کسی صورت برداشت نہیں کی جا سکتی۔

آج عالم اسلام کا ہر فرد اور بچہ بچہ عربوں کے لیے فتح و نصرت اور کامیابی و کامرانی کی دعائیں کر رہا ہے ہماری حکومت کو دعا مانگنے کی لمبی لمبی اپیلیں کرنے کی بجائے عربوں کی کھل کر امداد کرنی چاہیے۔ عرب ممالک کا موجودہ اتحاد الحمد للہ پختہ سے پختہ تر ہوتا گیا اور ان کے حوصلے اور ولولے بلند تر ہوتے رہے تو یہ جنگ خواہ کتنی ہی طویل کیوں نہ ہو جائے اور امریکہ چھوڑ بڑے بھی ممالک اسرائیل کے سر پر ہاتھ رکھیں فتح بالآخر عربوں کی ہو گی۔

اللہ تعالیٰ نے آج سے چودہ سو برس پہلے بدر کے مقام پر ۳۱۳ صحابہ کرامؓ کی جماعت کو تین گنا بڑے دشمن پر فتح عطا فرمائی تھی اللہ تعالیٰ کی نصرت و امداد یقیناً پہنچے گی اور دشمن ذلیل و خوار ہو کر رہے گا

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

بقیہ: جشن عید

چلے جاتے ہیں، یا دیہات کا رخ کرتے ہیں چنانچہ ایسے حضرات کی سہولت کے لیے حکومت وقتی طور پر وسائل نقل و حمل میں اضافہ کر دیتی ہے اور معمول سے کہیں زیادہ بسیں اور گاڑیاں دوڑتی نظر آتی ہیں۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کردار کی روشنی میں بچوں کی تربیت

گذشتہ سے پیوستہ

رحیمہ ظہور الحق

اب رہے تعلیم و تربیت کے اصول و طریقے وہ ماہرین نفسیات کے تجربات اور ان کی کامیابی پر مشتمل ہیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بچپن غیر معمولی فطرت اور رجحانات کا حامل تھا۔ آپؐ کی معصوم ادائیں گمراہوں کو راہِ راست پر گامزن ہونے پر مجبور کرتی تھیں۔ لوگ آپ کی شرم و حیا پر جان دیتے تھے۔ آپ کے عدل و انصاف کا یہ عالم تھا کہ کفار پر بھی اتنا اثر تھا کہ وہ اپنے مقدمے آپؐ کی عدالت میں پیش کر کے فیصلہ کرواتے۔

بچپن ہی سے آپؐ ہر برائی سے پاک تھے اور دوسرے بچوں کی طرح فضول اور بے کار کھیلوں میں وقت ضائع نہ فرماتے تھے۔

شرم و حیا صفاتِ انسانی کا بہترین نمونہ ہے گو ایک حد تک یہ صفت فطری ہے لیکن ماحول کا بھی اس پر کافی اثر پڑتا ہے۔ والدین کی لاپرواہی سے اس کا خفی اثر ظاہر ہوتا ہے مگر آپؐ کی صفاتِ حسنہ تو فطری تھیں۔ جو خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کی رہبری کے لیے آپؐ میں ودیعت فرمائی تھیں تاکہ آپؐ کی ہر حرکت، ہر صفت اور ہر عادت لوگوں کی صحیح رہنمائی کا باعث ہو۔ چنانچہ بچپن ہی سے آپؐ میں شرم و حیا اس قدر تھی کہ کسی نے بھی آپؐ کو برہنہ نہیں دیکھا

بچپن کا ایک واقعہ ہے کہ خانہ کعبہ کی دیوار درست ہو رہی تھی۔ بچے اپنے اپنے تہبند اتار کر کندھوں پر رکھ کر پتھر لاتے تھے۔ آپؐ نے بھی چچا کے کہنے پر ایسا کرنا چاہا لیکن آپؐ غیرت کے مارے بیہوش ہو کر گر پڑے۔ آپؐ اپنی شرم و حیا سے مجبور تھے کہ اپنے چچا کی عدول حکمی کریں۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں شجاعت و محبت جیسی بڑی فضیلت بدرجہ اتم موجود تھی لیکن اس کے باوجود بھی آپؐ نے کبھی کسی پر بے جا سختی نہیں فرمائی۔ بلکہ بڑے بڑے مجرموں کو بھی اکثر معاف فرما دیتے تھے۔ جس کا اثر یہ ہوتا تھا بچوں کو بچپن سے اس بات سے ٹوکتے رہتے کہ وہ چغلخوری نہ کریں۔ دوسروں کی عیب جوئی اور غیبت سے پرہیز کریں۔ اکثر بچوں میں یہ عادتیں بے حد پائی جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ مہربانی، نرم خوئی اور فراخ دلی کی عادتیں بچپن ہی سے بچوں میں ڈالی جانی چاہئیں۔ بے مطلب دوسروں کی باتوں میں دخل اندازی کرنا انتہائی بد عادت ہے اس سے بچوں کو پرہیز کروائیں۔

قرآن شریف میں خدا تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ:۔

"اے مسلمانو! بہت شک کرنے سے بچتے رہو۔ کیونکہ شک بھی گناہ ہے اور ایک دوسرے کی عیب جوئی میں نہ رہا کرو۔ نہ تم میں کوئی کسی کو پیٹھ پیچھے برا کہے۔ کیا تم میں کوئی اس بات کو گوارا کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے جس سے تمہیں کراہت آتی ہے"

(حجرات رکوع ۲ آیت ۱۲)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات قرآن مجید کے پیغامات کا آئینہ تھے اور یہی بات اللہ کو پسند تھی اور جس بات سے اللہ نے منع فرمایا اس پر آپؐ اظہارِ ناپسندیدگی فرماتے تھے۔

دنیا میں عزت، دولت اور وقار کے لحاظ سے انسان مساوی نہ تھے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادت اور انسانیت کے اظہار سے مساوات کا سبق عطا فرمایا۔ اسلام ہی کا سبق ہے کہ

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

بچوں پر آپؐ کی شفقت بہت ہی زیادہ تھی راستہ میں بچوں کے پاس سے گزرتے تو انہیں خود سلام کرتے، پیار کرتے۔ ان کے سر پر مہر و محبت سے اپنا دستِ شفقت پھیرتے تھے۔

جب کوئی شخص موسم کا نیا میوہ آپؐ کی خدمت میں پیش کرتا تو آپؐ اسے سب سے کم عمر بچہ کو عنایت فرماتے۔ حضرت عائشہؓ کی سہیلیاں جو بہت کم عمر ہوتی تھیں۔ گھر آتیں اور آپؐ کو دیکھ کر چھپ جاتیں تو آپؐ انہیں اپنے پاس بلاتے۔ وہ بابا کہہ کر آپؐ کو مخاطب کرتیں۔

جب آپؐ مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو کم عمر بچیاں دف بجا بجا کر آپ کا استقبال کر رہی تھیں۔ آپؐ نے ان سے استفسار فرمایا کہ:

"کیا تم مجھ سے پیار کرتی ہو؟"

انھوں نے جواب دیا:

"جی ہاں"

آپؐ نے فرمایا کہ میں بھی تم سے پیار کرتا ہوں۔

جب آپؐ نماز پڑھتے اور کسی بچے کے رونے کی آواز کان میں پڑ جاتی تو آپؐ بے تاب ہو جاتے اور نماز مختصر فرماتے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام عالم کے لیے رحمت بن کر تشریف لائے اور قرآن مجید جو اہلِ علم کے لیے نورِ ہدایت ہے عطا فرمایا۔

لیکن قرآن مجید پر عمل کرانے کا واحد ذریعہ آپؐ کے صفاتِ حسنہ اور اخلاق کریمانہ ہیں۔ خود اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے اخلاق کی تعریف فرمائی:۔

اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ

(اے رسولؐ! آپ اخلاق کے بڑے درجہ پر ہیں) بے شک آپ سراپا اخلاق کے مظہر تھے۔

مختصر یہ کہ آپؐ کے اخلاق بہت بلند ہیں قرآنی تعلیمات کا آئینہ ہیں، رحمت خداوندی کا مظہر ہیں۔ مومنوں کی جمعیت کا باعث ہیں۔ یہ آپؐ کے اخلاق کا معجزہ ہی تھا کہ بد اعمال قوم مہذب بن گئی۔ جاہل علم سے بہرہ ور ہو گئے، ظالم انصاف کے علم بردار ہو گئے، ڈاکو محافظ اور حق کے منکر حق کے شیدا ہو گئے۔

آپؐ کے اخلاقِ کریمانہ نے دلوں کو فتح کیا، برائیوں کو ختم کیا اور صداقت کو پھیلایا۔

آج بھی آپؐ کی اخلاقی تعلیمات قرآن مجید اور احادیث نبوی میں بجنسہٖ موجود ہیں۔ اور خود اللہ تعالیٰ نے انہیں نمونۂ عمل بنانے کی تاکید فرمائی ہے

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ

بلاشبہ تمہارے لیے رسول اللہؐ کی زندگی میں بہترین نمونۂ عمل ہے۔

غرض ہم فرمانِ نبویؐ اور تاکیدِ ربانی کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے کیوں نہ قوم کے نونہالوں کی تربیت حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کردار کی روشنی میں کریں تاکہ ان کی تربیت حقیقی معنوں میں اسلام کے آئین و قوانین کے ماتحت ہو اور مذہبی، معاشرتی اور اقتصادی غرض ہر حیثیت سے انہیں صحیح رہنمائی حاصل ہو جائے اور آئینِ اسلام کے خلاف رکیک افعال سے یہ معصوم بچے ہمیشہ کے لیے کنارہ کش ہو جائیں۔ تاکہ آگے چل کر یہی بچے بلند کردار اور زندہ قوم کے افراد ثابت ہوں۔

ہفت روزہ خدام الدین لاہور

ٹیلیفون نمبر ۶۷۵۴۵

رجسٹرڈ ایل نمبر ۶۰۴۷

منظور شدہ محکمہ تعلیم ۱۔ لاہور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری ۹/۱۶۳۳۱ مورخہ ۳ مئی سنہ ۱۹۵۶ء (۲) پشاور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری T.B.C/۲۳۷-۲۴۸۱ مورخہ ۷ ستمبر سنہ ۱۹۵۶ء
۳۔ کوئٹہ ریجن بذریعہ چٹھی نمبری ۳۹/۹/۶۷۷-۲-۵۹ مورخہ ۲۲ اگست ۱۹۶۴ء اور (۴) راولپنڈی ریجن بذریعہ میمو نمبر GW2/۴۰-۵۳۱۰ مورخہ ۲ مارچ ۱۹۶۵ء

[illegible] لاہور سے باہتمام مولانا عبیداللہ انور پرنٹر پبلشر چھپا اور دفتر خدام الدین شیرانوالہ گیٹ لاہور سے شائع کیا۔